

تعارف

ڈاکٹر محمد طاہر

(ایلو پیٹھک وہ میو پیٹھک ڈاکٹر اور طب یونانی کے ماہر)

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب سے میرے تعارف و تعلقات کی صورت عجیب طور سے پیدا ہوئی، وہ صورت یہ تھی کہ مجھ پر پندرہ سال سے قبض اور بے چینی کی کیفیت طاری تھی۔ اس دوران چار پانچ بزرگوں سے ان کی مجلسوں میں جانے کی حد تک تعلق بھی رہا، لیکن طبعی مناسبت نہ ہونے اور ان بزرگوں کے ہاں غلو اور افراط و تفریط کی وجہ سے میں روحانی طور پر ان سے فیضیاب نہ ہو سکا، شب و روز کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دوست نے مجھے حافظ صاحب کی کتاب ”اصلاح نفس کا لائحہ عمل“ دی، یہ کتاب پڑھکر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی، دل نے کہا کہ اللہ نے حافظ صاحب سے یہ کتاب میری فکر کی صحت و درستگی اور راستہ کے تعین ہی کے لئے لکھوائی ہے، اس سے میرے لئے راہ سلوک کے صحیح خطوط متعین ہوئے، جس سے الحمد للہ میرے لئے سلوک میں چلنے کی راہ وابہوئی۔ اب حافظ صاحب سے میرا روز مرہ کا تعلق قائم ہے۔ مطالعہ کے بارے میں بھی میرا ذوق ایسا ہے، جو بھٹو صاحب کے ذوق کے ذوق کے ہمیوا ہے۔ میں فکر و فلسفہ، جدیدیت، نفیسیات اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کا غیر معمولی ذوق رکھتا ہوں۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے لکھنے پڑنے کا ذوق رکھا تھا، چنانچہ موصوف نے چودہ پندرہ سال کی عمر میں کتابوں کی ایک لا بصری بنائی تھی اور رات گئے تک وہ مطالعہ میں رہتے تھے، مطالعہ اور لکھنے کا انہیں جنوں تھا، اسی عمر میں انہوں نے اسلام پر سندھی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی، جسے

پڑھکر ان کے علاقہ کے ایک دانشور نے رائے دی تھی کہ اگر اس نو عمر کو زندگی حاصل رہی تو یہ علمی طور پر ملکی سلطھ پر نمایاں خدمات سرانجام دے گا۔

موصوف کے والد صاحب محمد عیسیٰ، فقیر صاحب کے نام سے مشہور تھے، وہ کاروبار کرتے تھے، لوگ اکثر ان سے قرضہ کے طور پر رقم لے جاتے تھے، جو وہ بعد میں لوگوں کو معاف کر دیتے تھے۔ انہوں نے خوشحالی کے باوجود ساری زندگی کچے مکان میں گذاری۔ کہتے تھے کہ لوگوں کی غربت کی حالت میں پکا مکان بنا کر مٹی پر پیسہ خرچ کرنا، یہ بندہ مومن کو زیبا نہیں۔ موصوف تجد گذار تھے اور مولانا جان محمد بھٹو صاحب، جو اس دور کے مثالی اہل اللہ تھے، ان کے صحبت یافت تھے۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب، حفظ قرآن کے بعد انگریزی سکول میں داخل ہوئے، لیکن ماحول سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے جلد ہی اسکول چھوڑ دیا، اس کے بعد دارالعلوم منزل گاہ سکھر میں دینی تعلیم کے لئے داخل ہوئے، مولانا خیل اللہ ربانی صاحب جو جامعہ رشیدیہ کے بانی مولانا شید احمد صاحب کے بڑے بھائی اور ان کے استاد بھی تھے، ان سے ابتدائی عربی کتابیں پڑھیں، لیکن لکھنے پڑھنے (مطالعہ) کے ذوق نے انہیں جم کر مدرسہ میں پڑھنے نہیں دیا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں جب کہ ان کی عمر ۱۸ سال کے لگ بھگ تھی، ایک دینی جماعت نے انہیں حیدر آباد میں اپنے صوبائی دفتر میں ناظم نشر و اشتاعت کی حیثیت سے متعین کیا۔ اسی دوران وہ روزنامہ ” عبرت“ سندھی اور روزنامہ ”الوحید“ سندھی میں مضامین اور کالم لکھتے رہے۔ ۱۹۷۱ء کے شروع میں وہ روزنامہ ” جسارت“ کراچی سے وابستہ ہوئے اور اس میں وقار نگار خصوصی برائے سندھ کی حیثیت سے ان کا تقریر ہوا، اور تیرہ سال تک ” جسارت“ میں کام کرتے رہے۔ دینی جماعت کے صوبائی دفتر میں رہائش کی وجہ سے اس وقت کی جماعت

کی صوبائی و مرکزی قیادت سے ان کے قریبی تعلقات رہے۔ اس سارے عرصہ کے دوران انہیں یہ فکر دامنگیر رہی کہ غلبہ دین کی جدوجہد کی فکر میں کوئی بنیادی نقص ضرور موجود ہے، جس کی وجہ سے اسلامی نظام کے غلبہ کی کاوشوں کے باوجود باطنی کیفیات میں بہتری اور پاکیزگی کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور حسد اور خودنمایی جیسے جذبات غالب رہتے ہیں۔ تشنگی کے اس احساس نے انہیں دور جدید کے سارے مفکروں کی فکر کے مطالعہ کی طرف راغب کیا، چار پانچ سال تک انہوں نے عالم اسلام بالخصوص بر صغیر ہند کے تقریباً سارے قبل ذکر مفکروں اور مصنفوں کو پڑھ ڈالا، اس مطالعہ سے ان پر یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ سے والہانہ محبت کے بغیر کوئی فکر، فرد و افراد کے داخلی نظام کو بہتر بنانے، ان کی جدوجہد میں للہیت کے رنگ کو غالب نہیں کر سکتا۔

ذہنی طور پر اس اطمینان کے بعد موصوف نے چار پانچ سال تک تصوف کی سینکڑوں کتابیں پڑھ ڈالی، لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے ان کے دل کی تشقی کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ ۱۹۸۲ء میں موصوف نے ایک اہل اللہ سے تعلق استوار کیا، جس سے ان کے قلمی حالات میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی، بعد ازاں موصوف ۱۹۸۸ء میں ممتاز محقق و صوفی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سے باقاعدہ بیعت ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں رہے۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے زیر نظر کتاب میں اس نکتہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کی محبت انسانی نظرت کا سب سے طاقتور نصب اعینی تقاضا ہے۔ اللہ سے یہ محبت، اس کی عبادت اور ذکر و فکر اور اس کی اطاعت کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے اور اس محبت کے ارتقائی مراحل طے ہو سکتے ہیں۔ ذکر و فکر اس کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اس سے محرومی کے نتیجے میں نفس جو مادہ کی پیداوار ہے، وہ انسانی شخصیت پر حاوی ہو جاتا ہے۔ نفس کے حاوی ہونے کی وجہ سے

دینی درسگاہوں میں انہیں علمی تھیصلی کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔
وسائل کے اعتبار سے جس طرح وہ پہلے تھی دولت تھے۔ اسی طرح اب بھی تھی دولت ہیں، اس اعتبار سے ملک میں ہزاروں لاکھوں افراد ہیں، جوان سے ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ موصوف کا کہنا ہے کہ یہ والدین کی دعا ہے کہ اللہ نے اسے دنیاوی علوم و فنون سے بے بھری کے باوجود اپنے دین کی خدمت کے کام پر لگایا، جو حضن اس کا فضل و کرم ہے۔

موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ راہ سلوک میں ان سے مجاہدے تو نہ ہو سکے، جو معمولی کاوش ہوئی، شاید اللہ کے ہاں اس کی قبولیت کی صورت پیدا ہوئی، اس لئے انسانی فطرت کے سب سے طاقتور داعیے یعنی اللہ کی محبت، تصوف و راہ سلوک کے موضوع پر اللہ نے ان سے جدید نویعت کا بھرپور اٹرپچر تیار کروایا۔ وہ کہتے ہیں، شاید اللہ کے ہاں ان کی یہ ٹوٹی پھوٹی علمی کاوشیں قبول ہوں اور آخرت میں نجات کی صورت پیدا ہو۔

حافظ صاحب کی زیر نظر کتاب اگرچہ مختصر ہے، لیکن اس میں نفس اور مادیت سے معركہ آرائی کے حوالے سے بنیادی مباحث زیر بحث لائے گئے ہیں۔ موصوف کی یہ کتاب ذکر کا ذوق و شوق رکھنے کے علاوہ علمی ذوق کے حامل افراد کے لئے بھی معلومات افزا ہے۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے زیر نظر کتاب میں اس نکتہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کی محبت انسانی نظرت کا سب سے طاقتور نصب اعینی تقاضا ہے۔ اللہ سے یہ محبت، اس کی عبادت اور ذکر و فکر اور اس کی اطاعت کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے اور اس محبت کے ارتقائی مراحل طے ہو سکتے ہیں۔ ذکر و فکر اس کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اس سے محرومی کے نتیجے میں نفس جو مادہ کی پیداوار ہے، وہ انسانی شخصیت پر حاوی ہو جاتا ہے۔ نفس کے حاوی ہونے کی وجہ سے

روح اور دل اپنی اصل غذا ذکر سے محروم ہوجاتے ہیں، انسانی زندگی اور معاشروں میں سارا فساد اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ ذہنی دباؤ، اشتعال، جھنچھلاہٹ، حب جاہ وحب مال، حرص وہوس اور مادی حسن پر فدائیت، چھینا جھٹی کا مزاج جیسی ساری خرابیاں دل اور روح کو اس کی اصل غذا اللہ کا ذکر نہ دینے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

موصوف نے اس مختصر کتاب میں انسانی نفس کی بنیادی خرابیوں کی نشاندہی، مادہ پرستی کی علمی قوتوں کی طرف سے مادی مقاصد کی خاطر انسانیت کو تباہی سے دوچار کرنے، اس تباہی سے بچنے کی صورت و مداری، اللہ کے طالب کو دورانِ ذکر، نفس کی طرف سے پیش ہونے والی دشواریاں، مادیت پرستی کے علمی چیخنے کے مقابلہ کے لئے صوفیائے کرام اور علمائے کرام کو اہم امور کی طرف توجہ دلانے وغیرہ جیسے بہت سارے معاملات زیر بحث لائے ہیں، ساتھ ساتھ کتاب میں بعض جدید اسلامی فکر کے حامل افراد کو بھی غالبہ دین کی تحریک کو فعال بنانے کے لئے بہت قیمتی مشورے دیتے ہیں۔

میں جب مادہ پرست علمی پس منظر میں اہل ذکر اور اہل تصوف کے کردار پر غور کرتا ہوں تو اس سلسلہ میں ان کا کوئی قابل ذکر کردار نظر نہیں آتا، یہ بات ایسی ہے، جو میرے لئے اہل تصوف کے بارے میں تحفظات پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے، اس سلسلہ میں حافظ صاحب سے بھی ذکر ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ترکی اور مصر میں اہل ذکر نے جدیدیت کے چیخنے کا بہت مؤثر طور پر مقابلہ کر کے، عوام کی قابل ذکر تعداد کو فکری اور عملی طور پر اپنا ہمنوا بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ مصر میں اگر فوج نے اسرائیل اور علمی شاہوکار کی شہ پر اخوان اسلمیون پر ضرب لگائی ہے، تو یہ جدا گانہ بات ہے، اس سے معاشرہ میں دینی اعتبار سے ان کے عظیم کام اور لوگوں کی اخوان سے نظریاتی اور دلی وابستگی میں

کوئی فرق واقع نہیں ہوا، پاکستان میں اس سلسلہ میں اگر اہل ذکر وابستہ تصوف کوئی کردار ادا نہ کر سکے ہیں تو اس کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ پہلے سے مختلف گروہوں میں تقسیم ہے۔ اہل تصوف میں ایسی شخصیتیں، جو معاشرہ کے مؤثر طبقات میں حکمت اور مستقل مزاجی سے کام کرنے کا منصوبہ رکھتی ہوں، قسمتی سے وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ دوم یہ کہ پاکستان میں اہل تصوف سے عام طور پر یا تو غریب طبقات وابستہ ہیں یا ذہنی و علمی صلاحیتوں کے اعتبار سے کمزور طبقات۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ پاکستان میں معاشرہ کو تبدیل کرنے کی فکر، جن جدید تعلیم یافتہ افراد کے پاس موجود ہے، وہ تصوف وابستہ تصوف سے استفادہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

زیرنظر کتاب میں اس موضوع پر بھی آپ کو مباحثہ نظر آئیں گے۔

مقدمہ

زیر نظر کتاب موجودہ دور کے سب سے اہم مسئلے یعنی نفس و مادیت سے مقابلہ میں ذکر کے کردار کے موضوع پر ہے۔ موجودہ دور میں نفس پرستی اور مادیت پرستی کی قوتیوں نے انسانی زندگی، بلکہ پوری انسانیت کو ہولناک فساد سے دوچار کر دیا ہے اور نفسانی کی فضا پیدا کر دی ہے۔

نفسانی کی فضا کے غالب ہونے کا مطلب، انسانی معاشرہ کو حیوانی معاشرہ میں تبدیل کرنا ہے۔ اس وقت عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک ہمیں جس معاشرہ کا سامنا ہے، وہ انسانی صفات سے محروم ہو کر، عملہ، حیوانی معاشرہ میں تبدیل ہو چکا ہے، جس کا مظاہرہ روز مرہ زندگی میں ہو رہا ہے، قساوت قلبی، وسنگ دلی عام ہو گئی ہے۔ دولت کے جنون نے سیرت و کردار کو داغدار تر بنادیا ہے۔ مہنگائی، ظلم واستھصال اور لوث مار کی وجہ سے عام انسان کی زندگی زہر بن چکی ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں رہا۔

یہ ساری صورتحال اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ انسان جو انس سے نکلا ہے، جس کی معنی محبت ہے۔ مادہ پرست تہذیب نے انسان سے محبت کے ان پاکیزہ جذبات کو سلب کر لیا ہے اور انسان کی فطرت میں محبوب حقیقی سے محبت کے والہانہ جذبات و دلیعت ہوئے ہیں۔ اللہ سے محبت کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق سے محبت بھی اس کی فطرت کا حصہ ہے، لیکن اب اگر انسانیت اس کے بالکل برکس دوسرا منظر پیش کر رہی ہے تو اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ مادی تہذیب اور اس کے ذہن سازی اور تعلیم و تربیت کے سارے ذرائع نے انسانی فطرت کے ان پاکیزہ جذبات کو دبا کر، انسان پر حیوانیت اور مادیت کے جذبات کو غالب کر دیا ہے۔

انسان کو اس فساد عظیم سے بچانے کی واحد صورت فطرت انسانی کی صحیح صورت میں تعلیم و تربیت کی تشكیل ہے، جس میں محبوب کا ذکر، ساری کائنات اور اشیائے قدرت میں موجود محبوب حقیقی سے کشش کا نظام اور اس کا مطالعہ و مشاہدہ اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب اگرچہ مختصر ہے، تاہم اس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے، غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، محبوب حقیقی کے ذکر کی خصوصیات، اس سے محرومی کے نتائج، ذکر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی توانائی جیسے بہت سارے عنوانات کتاب میں زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اللہ کرے غور و فکر کی صورت پیدا ہو سکے۔

محترم ڈاکٹر محمد طاہر صاحب نے کتاب کا تعارف لکھا ہے، جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ موصوف، راہ محبت کے طالب صادق ہیں۔ اللہ نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں و خوبیوں سے نوازا ہے۔ درویشی کا مزاج غالب ہے۔ طب میں انہیں روپرٹوں اور ٹیسٹیوں کے بغیر نبض شناسی اور علاج بالغذا کے ذریعہ مزاج میں تبدیلی پیدا کر کے، اس کو متوازن بنانے اور اس کے ذریعہ بیماری سے شفایاںی کا اللہ نے انہیں جو ملکہ دیا ہے، وہ بے مثال ہے۔ وہ اپنی اس صلاحیت کی بنا پر آسانی سے کروڑ پتی بن سکتے تھے، لیکن انہوں نے اللہ سے محبت کے زیر اثر مالدارانہ زندگی سے دستکشی اختیار کر لی ہے، ان کی درویشانہ زندگی دوسرے ڈاکٹروں کے لئے مثال اور نمونہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص کی نعمت عظیمی عطا فرمائے اور ان سے اپنے دین اور اپنی مخلوق کی بہتر طور پر خدمت کام کام لیتا رہے۔

ذکر

قرآن و احادیث کی روشنی میں

قرآن و احادیث میں ذکر کی اتنی تاکید ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ذکر، اللہ کو مقصود کی حد تک مطلوب ہے۔ انسان کی ساخت اور اس کی شخصیت کی نوعیت کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ ذکر، فرد کو مادی زمین سے انھا کر، آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ ذکر سے محروم فرد کو مادہ کی پستیوں میں لے جانے کا موجب بنتی ہے۔

قرآن میں ذکر کی جو تلقین کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین و دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں، جس میں ذکر کی طرف متوجہ نہ کیا گیا ہو۔ اور انبیاء کرام تک کو ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِتْنَةً فَلَا تَبْعُدُوا وَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا.

اے ایمان والو، جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اس وقت بھی اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ، (یہاں جہاد اور قتال کے موقع پر بھی ذکر کا حکم دے کر، اس کی اہمیت واضح کر دی گئی، تاکہ ذکر کی برکت سے جہاد کے اس عمل میں اخلاص و لہیت کا رنگ غالب ہو سکے اور دشمن کے خلاف نفسیانیت کی آلاتوں سے بجاوے کی صورت پیدا ہو سکے)۔

فَأَذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَأَشْكُرُوْأَلَيْ وَلَا تَكْفُرُونَ.

پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو۔ (انسان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ذکر کے نتیجہ میں کائنات کی خالق ہستی اسے یاد کرنے لگے)۔

فَإِذَا أَفْضَلْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَسْعَرِ الْحَرَامِ وَأَذْكُرُوهُ كَمَا هَذَا كُمْ وَإِنْ

كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الصَّالِّينَ .

پھر جب تم (حج کے موقع پر) عرفات سے واپس آجائے تو مزدلفہ میں (ٹھہر کر) اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح تم کو بتایا گیا ہے اور درحقیقت تم اس سے پہلے مخفی ناواقف تھے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ أَبْأَءْكُمْ أَوْ أَهْدَى ذِكْرًا.

پھر جب تم حج کے اعمال پورے کر چکو تو تم اللہ کا ذکر کیا کرو، جس طرح تم اپنے آبا (واجداد) کا ذکر کرتے ہو (کہ ان کی تعریفوں میں زبان تر رکھتے ہو) بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہئے۔ (حج کے سارے مناسک اور ارکان خود عبادت ہی ہیں، لیکن ذکر کی اہمیت ملاحظہ ہو کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں ان موقع پر بھی اللہ کا ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی)۔

وَأَذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ.

اور (حج کے زمانہ میں منی میں بھی ٹھہر کر) کئی روز تک اللہ کا ذکر کیا کرو۔

وَأَذْكُرْرَبِكَ كَثِيرًا وَسَبِّعْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِنْكَارِ.

اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کیا کیجئے اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

(اس آیت میں صبح و شام اپنے رب کے ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں یعنی اولیاء کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ان اوقات کو ذکر میں صرف فرماتے رہے ہیں)۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَغَوْداً وَعَلَيْ جُنُوبِهِمْ وَيَتَكَبَّرُونَ فِي خُلُقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سَبِّحَانَكَ فَقَنَا عَذَابَ النَّارِ.

(عقلمندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے) وہ ایسے لوگ ہیں جو اٹھتے، بیٹھے لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے

میں غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بے کار تو پیدا کیا نہیں۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہمیں عذاب جہنم سے بچائیے۔ (عقلمندوں کی سب سے بڑی علامت ہی یہی بتائی گئی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر صورت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں)۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ.

جب تم نماز (خوف جس کا ذکر پہلے سے ہے) پوری کر چکو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (یعنی کسی حال میں بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہو)۔

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَأُونَ النَّاسَ وَلَا يُذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا.

(منافقوں کی حالت کا بیان ہے) اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو (اپنا نمازی ہونا) دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر (یونہی) تھوڑا سا۔ (اس آیت میں ذکر کو وظیفہ بنانے کی بجائے قلیل ذکر، جو رسی نویعت کا ہوتا ہے، اسے منافقوں کی علامت بتایا گیا ہے ایسے قلیل ذکر سے نفاق سے بچنا اور اخلاص ولھیت پیدا ہو، مشکل ہے)۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں کہ یا اللہ میرا سینہ کھول دے، میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ آخر میں یہ الفاظ ہیں)۔

سَعَى نَسِيْحَكَ تَعْبِرَا وَلَدَّكَرَكَ سَعِيرَا.

(تاکہ ہم تیری کثرت سے تسبیح بیان کریں اور تیرا کثرت سے ذکر کریں)۔

(یہ آیت اور اس طرح کی دوسری آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر

دین کے مقاصد میں شامل ہے۔ انبیاء کرام کو ذکر کے خصوصی اہتمام کی فکر ہوتی ہے)۔

وَلَقَدْ تَعْلَمُ أَنَّكَ يَضْيِيقُ صَلَارَكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَيَّعِ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مَنَ السَّاجِدِينَ.

ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے سو آپ اپنے رب کی تسبیح و تعریف میں لگتے اور سجدہ و عبادت کو مشغله بنائیے (اس سے آپ کی تنگ دلی رفع ہو جائے گی)۔

(یہ آیت اس اعتبار سے اہم ہے کہ خدمت دین اور اقامت دین کی جدوجہد کے دوران جو مشکلات درپیش ہوتی ہیں، اس پر قلب میں گرانی کی صورت میں جو اثرات ہوتے ہیں، ان اثرات کے ازالہ اور نئی قوت کے ساتھ دوبارہ کام کرنے کے لئے اللہ کی حمد و تسبیح غیر معمولی طور پر مفید ہے۔ جب اللہ کے رسول کو اس کی تاکید ہے تو اس کے امتيؤوں کو تو اس کی مزید ضرورت ہے)۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ أَشْمَأَرَثُ قُلُوبُ الْأَدْيَنِ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الْأَدْيَنِ مِنْ ذُرْنِهِ إِذَا هُمْ يَسْبَبُشُرُونَ.

اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) جب اکیلا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کو نہ مانے والوں کا دل متنبض ہو جاتا ہے جب اس کے علاوہ دوسری چیزوں (دنیاوی ساز و سامان وغیرہ) کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوشی سے سماتے نہیں)۔

(اس آیت میں دور جدید کے انسان کی عمومی نفیات کی عکاسی بھی کی گئی کہ کسی بھی مجلس میں جب اللہ کی توحید، اس کی شان عظمت اور اس کے ذکر کی باتیں ہوتی ہیں تو لوگوں میں بیزاری بلکہ وحشت کی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ مجلس کے رخ کو دوسری طرف موڑنے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ جب مجلس میں دنیا کے زیب وزینت اور سامان رونق، گاڑیوں، بیکنوں،

شیکناوجی ترقی اور ہنگامی سیاست وغیرہ پر گفتگو شروع ہوتی ہے تو ان کے دل مسرور ہونے لگتے ہیں۔

قرآن نے چودہ سو سال پہلے موجودہ انسان کے نفیات کی بہترین نشاندہی اور عکاسی کی ہے)۔

فَأَعِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ .
پس اس شخص سے منه موڑ لے، جو ہمارے ذکر سے منه موڑا ہوا ہے
(ہمارے ذکر سے اعراض کیا ہوا ہے) وہ دنیاوی زندگی ہی کا خواہاں ہے اس کے علم کی انتہا یہی ہے)۔

(اس آیت میں بعض ایسے بنیادی حقائق بیان فرمائے گئے ہیں جو اکثر جدید انسان پر لاگو ہوتے ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو شعوری طور پر ہمارے ذکر کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تمہیں اس کی فکر دامنگیر نہ ہونی چاہئے، اس لئے کہ ایسے شخص کا مقصد زندگی ایک ہی ہے اور وہ ہے دنیا کی زندگی اور اس کے مستقل کو بہتر بنانا اور اس کی ساری جدوجہد کا ہدف اور ساری توانائیوں کا مرکز دولت اور دنیاوی شان مان والی زندگی ہے۔ (ایسا کیوں ہے اس لئے ہے کہ) اس کی تعلیم اسے سکھاتی ہے کہ ذکر ایسی چیز ہی نہیں ہے، جسے اہمیت دی جائے، اصل چیز تو دنیا کی بہتری اور شان و مان والی زندگی ہے۔
اس آیت میں جدید دور کے انسان کے حالات کی بہترین عکاسی فرمائی گئی ہے)۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بِيَنْكُمُ الْعَذَابُ وَالْبُطْشَاءُ فِي الْعَمَرِ وَالْمُنْسِرِ وَيَصْدِكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ.

اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں آپس میں عداوت اور بعض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک

دے۔ بتاؤ اب بھی (ان بری چیزوں سے) باز آ جاؤ گے۔

وَلَا تَنْهِرُ الدِّينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَّةِ وَالْعَشَيْتِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ .

اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے پور دگار کو پکارتے رہتے ہیں، جس میں خاص اس کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔

(اللہ کو پکارنے اور اسے یاد کرنے کی اہمیت ملاحظہ ہو کہ حضور ﷺ کو انہیں اپنی مجلس سے جدا نہ کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے)۔

اَذْغُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ وَلَا تُفْسِلُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ
إِصْلَاحِهَا وَأَذْغُوهُ خَوْفًا وَطَمَعاً إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ .

تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چکے چکے پکارتے رہو، بے شک حق تعالیٰ شانہ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کردی گئی ہے فساد نہ پھیلاو اور اللہ جل شانہ کو (عذاب سے خوف کیستھ اور (رحمت میں) طمع کے ساتھ پکارا کرو، بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْخُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا .

اور اللہ ہی کے واسطے اچھے اچھے نام ہیں لیں پس ان کے ساتھ اللہ کو پکارا کرو۔ (اسماء حسنی کے نام کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے کی نصیحت فرمائی گئی ہے)۔

وَأَذْكُرْ رَبِّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَجِيقَةً وَدُونَ الْجُهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُوْلِ وَالْأَصَابِ وَلَا
تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ .

اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کرو عاجزی سے خفیہ طور پر بلا آواز کے صبح و شام اور غافلوں میں شمار نہ ہو۔

(اس آیت میں قلمی ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے، جس کا تصوف کے سارے سلسے میں خصوصی اہتمام ہوتا ہے اس ذکر میں دل اپنی ساری توانائیوں کے

ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ کے انوار کی شعاؤں سے دل مخطوط ہونے لگتا ہے)۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجَلَّ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلَيَّتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ رَأَدُنُّهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمَمَّا رَزَقَنَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًا لُّهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَفِيرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ.

ایمان والے تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کا نپ جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اللہ پر توکل رکھتے ہیں یہی لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے بڑے درجے ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

(اللہ کے ذکر سے دلوں میں اللہ کی عظمت کا پیدا ہونا، اس عظمت کے زیر اثر خشیت کا پیدا ہونا، اس آیت سے ثابت ہے۔ اہل ذکر کا دل، اللہ کی عظمت اور اس کی خشیت سے سرشار ہوتا ہے، یہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے)۔

وَهَدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ الَّذِينَ آتَنَا وَتَطَمَّنُ قُلُوبُهُمْ بِلِذْكُرِ اللَّهِ أَلَّا بِلِذْكُرِ اللَّهِ تَكُفُّنَ الْقُلُوبُ.

اور جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(یہاں اللہ کے ذکر سے دلوں میں طمأنیت اور سکون و سکینت کی بشارت سنائی گئی ہے، یہ دولت ایسی ہے جو دنیا کی ساری نعمتوں اور دنیا بھر کی دولت

سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی)۔

فُلِّا اذْخُوا اللَّهُ أَوْ اذْخُوا الرَّحْمَنَ إِلَيْهَا مَا تَذْغُرُ أَكْلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا حُمَن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو گے (وہی بہتر ہے) کیونکہ اس کے لئے بہت سے اچھے نام ہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الْأَدْيَنَ يَذْغُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاءِ وَالْعَيْشِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَمَدْ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلَنَا قُلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَهُ هُوَ أَهْوَاهُ وَكَانَ أَمْرَهُ فُرُطًا۔

آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا پابند رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں، محض اس کی رضا جوئی کے لئے اور محض دنیا کی رونق کے خیال سے آپ کی نظر (یعنی توجہ) ان سے ہٹنے نہ پائے (رونق سے مراد یہ ہے کہ رئیس، مسلمان ہو جائیں تو اسلام کو فروغ حاصل ہو) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

(اس آیت میں کئی بنیادی باتیں فرمائی گئی، ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کرنے والے قابل قدر ہیں، ان کو اپنی صحبت سے مزید فیضیاب کرنا، یہ رسالت کے منصب کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

دوسرانکہ جو بیان فرمایا گیا، وہ یہ ہے کہ دلوں کی اللہ سے غفلت کا لازمی نتیجہ خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ ایسے لوگوں کی باتیں اس قابل ہی نہیں کہ انہیں اہمیت دی جائے، جب دل اللہ کے ذکر کی حلاوت سے آشنا نہیں ہوتا تو ایسا دل دولت، دنیا اور مادی حسن پر فریفہ ہو جاتا ہے)۔

وَعَرَضْتَ أَجْهَنَمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَرْضًا الْأَدْيَنَ كَانَتْ أَغْيُثُهُمْ فِي غَطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يُسْتَطِعُونَ سَمْعًا۔

اور ہم دوزخ کو اس روز (یعنی قیامت کے دن) کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھیں ہمارے ذکر سے پرده میں پڑی ہوئی تھیں اور وہ سن نہ سکتے تھے۔

(اس آیت میں ذکر سے اعراض کا نتیجہ جہنم کی وعید کی صورت میں بیان فرمایا گیا ہے۔)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي.

اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے۔

(اگرچہ نماز خود ذکر ہی ہے اور ایسا ذکر ہے، جو کسی صورت میں معاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن نماز، ذکر کی کم سے کم خوارک ہے، نماز بندہ کے ذکر کے مزاج کو پختہ کر دیتی ہے۔

إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخْوَكَ بِإِيمَانِكُمْ وَلَا تَنْبِئَا فِي ذِكْرِي.

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہے کہ) تم اور تیرے بھائی میری آیتیں لے کر فرعون کے پاس جاؤ، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ذکر سے غافل ہو۔

(اس آیت میں دو جلیل القدر انبیاء کو منصب رسالت پر فائز کرتے ہوئے جو انہم ہدایت فرمائی جا رہی ہے، وہ اپنے ذکر کی ہدایت ہے۔)

وَأَيُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسِينِ الْصُّرُورُ وَأَنَّكُمْ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.

اور یوہ (علیہ السلام کا ذکر کیجئے) جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو بڑی تکلیف پہنچی اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

وَذَا الْوُنِ إِذْ ذُهَبَ مُفَاضِبًا فَكَنَّ أَنْ نَقْبِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ شُبَحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ.

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیجئے) جب وہ (انپی قوم سے) خفا ہو کر چلے گئے اور سمجھے کہ ہم ان پر دارو گیر نہ کریں گے پس

انہوں نے اندر ہیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبد نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں بے شک میں قصور وار ہوں۔

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَلَمْ يَغُنُّنَا رَغْبَاهَا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ.

بیشک یہ سب (انبیاء جنم کا پہلے سے ذکر ہو رہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور پکارتے تھے (ثواب کی) رغبت اور (عذاب کا) خوف کرتے ہوئے اور سب کے سب ہمارے لئے عاجزی کرنے والے تھے۔

(انبیاء کرام کی سب سے بڑی خصوصیت، جس میں وہ سب سے ممتاز ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کو پکارتے رہتے ہیں، اس کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے سامنے آخری حد تک عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہیں)۔

وَبَسَرُ الْمُغْبِيِّينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّ ثُلُومُهُمْ.

اور ان عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کا نپ جاتے ہیں۔

(اللہ کے ذکر سے دل میں تہلکہ برپا ہونا، اور دل کا اللہ کی خشیت سے زیروزی بر ہونا ثابت ہے، ایسے لوگوں کو ہی بشارت سنائی گئی ہے)۔

رِجَالٌ لَا تُلِمُّهُمْ بِعَجَارَةٍ وَلَا بَيْعَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.

(کامل ایمان والوں کی تعریف کے ذیل میں ہے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے نہ خرید و فروخت۔

(اس آیت میں ذکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے کا اشارہ ہے، تاکہ کاروبار اور دنیاوی معاملات میں اللہ کے ذکر سے غفلت کا مظاہرہ نہ ہو، ایسے لوگوں کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے)۔

وَلَدَمُكُّ اللَّهُ أَكْبَرُ.

اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

تَسْجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَذْعُونَ رَبَّهُمْ حَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقَنَا هُمْ يُنْفِقُونَ فَلَا
تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرْبَةٍ أَغْيُنُ جَزِاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اس طرح پر کہ (عذاب کے) ڈر سے اور (رحمت کی) امید سے وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانہ غیب میں محفوظ ہے۔ یہ بدله ہے اس کا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

(رات کو تہجد کے وقت اٹھکر اللہ کی عبادت کرنا اور اسے پکارنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے)۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكْرُ اللَّهِ
كَثِيرًا.

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہتر نمونہ ہے (یعنی) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

(اس آیت میں کثرت ذکر کی یہ خاصیت بتائی گئی ہے کہ اس کے نتیجے میں زندگی کا ر斧 رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنے کی طرف ہونے لگتا ہے۔ ذکر کے ملکہ کے راست ہونے سے رسول ﷺ کی ہر سنت میں عمل پیرا ہونے کی استعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے)۔

وَالَّذِينَ اللَّهُ كَيْفِيْرُوا وَالَّذِينَ اتَّأْعِدُ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ.
(مؤمنوں کی صفات کے بیان کے بعد ارشاد ہے) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

(یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں کثرت ذکر کے نتیجے میں مغفرت کا وعدہ ہے۔ چونکہ کثرت ذکر، اسلام کے لئے اور اللہ کے لئے فدائیت کا رنگ پیدا کرتا ہے، اس لئے ایسے لوگوں کے لئے بشارت کی وعدہ ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إذْخُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبُّوهُ بِمُكْرَهَةٍ وَأَصْنِلَا.

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ فَلُولُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ.

پس ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کے ذکر کے سلسلہ میں سخت ہیں یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(اللہ کے ذکر کی طرف نہ آنا، ذکر سے دل کا غافل اور نامانوس ہونا، ذکر کے سلسلہ میں قساوت قلبی کا شکار ہونا، بہت سکین بات ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت کی وعدہ سنائی گئی ہے)۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَخْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَعَانِي تَقْشِيرٌ مِنْهُ جُلُوذُ الْأَدِينَ يَعْشُونَ رَبَّهُمْ
تُمَّ تَلِينُ جُلُوذُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ.

اللہ جل جلالہ نے بڑا عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی صرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت فرمادیتا ہے۔

(اللہ کے ذکر سے دل میں تبدیلی کا جو عمل شروع ہوتا ہے کہ دل بے ساختہ و بے قابو ہونے لگتا ہے اور اللہ کے لئے فدائیت کا رنگ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس آیت میں اس کا اثبات ہے)۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيقٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ.

جو شخص حُمن کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، پس وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔

(اللہ کے ذکر سے اعراض کے نتیجہ میں اغواۓ شیطانی کے خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہے، ایسا شخص حب جاہ وحب مال جیسے امراض سے بچ سکے، ممکن نہیں۔)

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قَلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ.

کیا ایمان والوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں۔

(ایمان کی علامت بتائی گئی ہے کہ اس کے نتیجہ میں دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ کے لئے دل مچلنے لگتا ہے اور ذکر کے وقت رجوع الی اللہ کی کیفیت غالب ہونے لگتی ہے۔)

اسْتَخْوَذْ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَإِنْ شَاءُمُ ذِكْرُ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَابِرُونَ.

ان پر شیطان غالب ہو گیا ہے پس اس نے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا، ہے یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں یاد رکھو کہ شیطان کا گروہ ہی خسارہ والا ہے۔

(یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں ذکر کی غفلت کو شیطان کے تسلط کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو شیطانی گروہ سے تشییہ دی گئی ہے، سنبھلنے کی ضرورت ہے، ایک تو خود ذکر سے محرومی ہو، دوسرا ذکر، اور ذکر والوں کی تحریر ہو، یہ تو اغواۓ شیطانی کی انتہائی صورت ہے۔)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَشْرُوا فِي الْأَرْضِ وَإِنْفَعُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
أَعْلَمُكُمْ تَفْلِحُونَ.

پھر جب (جمع کی) نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور (اس وقت بھی) اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ۔

(اس آیت میں معيشت کے لئے جد و جہد کرتے وقت بھی اللہ کے ذکر کا سہارا لینے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اللہ کے ذکر کو فلاح سے وابستہ کیا گیا ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِمُكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعُلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَابِرُونَ.

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں۔ (یہاں کاروبار وغیرہ کی مصروفیت سے پہلے ذکر کے مزاج کو راستخ کرنے کی تلقین فرمائی گئی، تاکہ کاروبار اور اولاد کی محبت، اللہ کی محبت اور اس کی اطاعت اور تعلیمات سے غافل نہ کرے)۔

وَمَن يَغْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكُهُ عَذَابًا صَدِقًا.

اور جو شخص اپنے پور دگار کے ذکر سے روگردانی اور اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

(اللہ کے ذکر سے اعراض کے نتائج بتائے گئے کہ وہ سخت عذاب کی صورت میں ظاہر ہوں گے)۔

فَلْ إِنَّمَا أَذْغُورُهُنَّ وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا.

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پور دگار ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

وَأَذْكُرْ أَسْمَ رَبِّكَ وَتَبَّلِ إِلَيْهِ تَبَيَّلًا.

اور اپنے رب کا نام لیتے رہا تھجے اور سب سے تعلقات توڑ کر اسی کی طرف متوجہ رہئے۔

(اس آیت میں اسم ذات کے ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ یہ ذکر ایسے ہو کہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر سب سے کٹ کر دل کی گہرائیوں سے اسم ذات کا ذکر ہو)۔

وَأَذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بِكُرَّةٍ وَأَصْبِلَا.

اور اپنے رب کا صبح و شام ذکر کرتے رہا تھجے۔

وَإِن يَغَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْنَاهُنَّكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الْدُّخْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ.

یہ کافر لوگ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گردais گے اور کہتے ہیں کہ (نعواز بالله) یہ تو مجمنوں ہیں۔

فَذَلِّلَحَ مَنْ تَزَّكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى.

بے شک با مراد ہو گیا وہ شخص جو (برے اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

قرآن کی ان آیات میں جہاد و قتال ہو یا اقامۃ دین و اشاعت دین کا کام ہو، کاروبار ہو یا دنیاوی مصروفیات اور اولاد کی فکرمندی ہو یا حج کے شعائر کی ادائیگی ہو، غرض کے زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلہ پر اللہ کا ذکر کرتے رہنے اس کی تسبیح و تعریف کا سہارا لینے، اس کی طرف متوجہ ہونے اور دل کی گہرائیوں سے اسے یاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور اس کے ذکر سے دوری یا اس سے محرومی کو انگوائے شیطانی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ انبیاء کرام تک کو ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ذکر کی یہ اہمیت اس لئے ہے کہ یہ توحید کو راستخ کرنے کا سب سے

مؤثر ذریعہ ہے دوم یہ کہ ذکر، فرد و افراد میں اخلاص کی کیفیت کو مستحکم کرتا ہے۔ سوم یہ کہ ذکر، افراد کو دین پر مستقل مزاجی سے قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ چہارم یہ کہ ذکر، دل میں پیدا ہونے والی سکینت کا ذریعہ ہے، جس سکینت کا ہر بندہ مؤمن آرزومند ہے، غرض یہ کہ ذکر کے اس طرح کے بے شمار فوائد ہیں۔ آنے والے مضمون میں اس کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

احادیث سے ذکر کے سلسلہ میں جو نکات الہم نشرح ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

- ذکر کرنے والا زندہ ہے، ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔
- ذکر دشمن کے مقابلہ میں قلعہ کے حصار کی حیثیت رکھتا ہے۔
- ذکر کے حلقة جنت کے باغوں میں ہیں، ان حلقوں میں شریک ہو کر جنت کے میووں سے محظوظ ہوا کرو۔

- اللہ کے ذکر کا عمل اللہ کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنے اور جہاد کر کے دشمن کو مارنے اور خود شہید ہونے سے بھی زیادہ افضل ہے۔
- اللہ کا ذکر کرنا، اللہ کی راہ میں دولت کا خزانہ خرچ کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔

- بندہ کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا سب سے بہتر عمل اللہ کا ذکر ہی ہے۔

- کوئی نیک عمل ایسا نہیں ہے، جو ذکر سے افضل ہو۔
- اللہ کا اس کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجمنوں کہیں۔
- اللہ کا ذکر کرنے والے (اور اس میں استقامت کا مظاہرہ کرنے والے) کی مثال اس مجاہد کی سی ہے، جو میدان جنگ میں ثابت قدم رہا ہو۔

- جس بندہ کو ذکر کی مصروفیت اللہ سے مانگنے میں مانع ہو، اللہ تعالیٰ اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔
- قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے۔
- آخرت میں پکارا جائے گا کہ عقلمند کہاں ہیں۔ پوچھا جائے گا عقلمند کون؟ کہا جائے گا وہ جو دنیا میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔
- دنیا میں بہت سے لوگ نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ جنت میں اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔
- اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والا نفاق سے بری ہے۔
- اللہ تعالیٰ، کثرت سے ذکر کرنے والے سے محبت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

- دنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے۔
- شیطان، انسان کے دل پر پنسجے جما کر بیٹھ جاتا ہے، جب وہ ذکر کا شغل اختیار کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ اگر غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر آکر بیٹھ جاتا ہے۔
- اللہ کے فرشتے ذکر کی مجلس کا لحیراً کر لیتے ہیں۔
- دنیا میں اللہ کے بندوں پر روزانہ بہت ساری نعمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے، ان ساری نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ذکر کی توفیق کا حاصل ہونا ہے۔
- اللہ تعالیٰ ذکر کے شیدائیوں سے بوجھ ہلکا کرتا رہتا ہے۔ وہ قیامت کے دن (ہر طرح کے بوجھ سے) سے ہلکے ہوں گے۔
- وہ مجلس جس میں اللہ کا (کچھ بھی) ذکر نہ ہو وہ (قیامت کے دن) لوگوں کے لئے حسرت کا موجب ہوگی۔
- جنت میں بندہ مومن کو کوئی حسرت نہ ہوگی، سوائے اس حسرت کے کہ اس کا جو وقت ذکر کے بغیر گذرنا، وہ کیوں گذرنا۔
- میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ لوگوں کی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔
- حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کائنات کی کسی چیز میں نہیں سما سکتا، سوائے بندہ مومن کے دل میں۔
- ہر چیز کو صاف کرنے کا کوئی نہ کوئی آلہ ہوتا ہے، دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔
- قلبی ذکر جھری ذکر سے ستر گنا زیادہ افضل ہے۔

نفس اور مادیت کے خلاف معزکہ آرائی میں ذکر کا کردار

ذکر ایک توانائی ہے، جو فرد کو نفس اور مادیت کی ہر طوفانی لہر کے وقت
تھامنے اور اسے مٹھکم کرنے کا موجب بتتا ہے، ذکر حسن ہے، بلکہ سارے حسن کا
مجموعہ ہے، جس سے مادی حسن کی اشتہا باقی نہیں رہتی اور مادی حسن کی تسکین
کے حصول میں صرف ہونے والی ساری توانائیاں محبوب کے انوار حسن سے بہرہ
وری میں صرف ہونے لگتی ہیں، اس طرح انسان، کائنات کی سب سے حسین مخلوق
کی حیثیت سے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہو جاتا ہے، تکرار ذکر، فرد
کو دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز کر کے، معنوی اور حقیقی حسن سے سرشار
کر دیتا ہے۔ ذکر، دل روح، انسانی نفیات اور ہر فرد کی شخصیت کی ایسی ناگزیر
ضرورت ہے، جس کے بغیر فرد کو تشقی، سکون و سکینت اور حقیقی مسرت کا
حاصل ہونا ممکن نہیں۔ ذکر کا نور انسانی خیالات کی بھٹکاؤٹ کی دوری،
تکفرات کے بجوم اور بے یقینی و بے گانگی کے احساسات کو کالعدم کر کے،
فرد میں اعتماد ذات اور غیر معمولی خود اعتمادی پیدا کر کے، اپنے آپ کو سب
سے زیادہ خوش قسم سمجھنے کے احساسات سے سرشار کرنے کا ذریعہ ہے۔ کثرت
ذکر، فرد کو خوشیوں سے اس طرح سرشار کر دیتا ہے کہ وہ ان خوشیوں کو دوسروں
میں باٹنے اور اس دولت سے محروم افراد کو اس دولت سے نوازنے اور ان کی
نفیات کو پاکیزہ بنانے کی جدوجہد کے لئے کوشش رہنے لگتا ہے۔

کثرت ذکر کا نور فرد کو ایمان، حکمت، فراست، علم، یقین و خود اعتمادی کے
اس مقام پر پہنچا دیتا ہے، جہاں اس کے لئے قرآن و سنت کے پیغام کو سمجھنے اور
اس کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہونے اور عمل صالح کی راہیں آسان ہونے کی

صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ذکر کے ذریعہ انسانی شخصیت

کے ہولناک خلا کا کا پُر ہونا

ذکر، انسانی شخصیت کے اس ہولناک خلا کو پُر کرنے کا واحد ذریعہ ہے،
جس خلا کی وجہ سے فرد، شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارنے، افراد میں امتیازی
شان کے ساتھ رہنے اور اللہ کی مخلوق کو دولت کمانے اور تعمیم کی زندگی کی راہ پر
گامز ن رہنے لگتا ہے۔ یا اس کی آرزوں اور تمناؤں میں رہنے لگتا ہے۔

ذکر

خیالات کے بے لگام گھوڑے کو
ضابطہ میں لانے کا ذریعہ

ذکر، خیالات، تکفرات اور وسوں کے بے لگام گھوڑے کو کنٹرول کرنے
اور ان خیالات کو ایک ہی مرکزی نکتہ، اللہ سے محبت کرنے، اسے راضی کرنے،
اللہ کے بندوں سے محبت کرنے، اخلاق حسنہ اور انسانی جوہروں سے بہرہ وری
کے مرکزی نکتہ پرلا کر، اس کے سارے خیالات اور اس کی ساری جدوجہد کو اسی
مرکزی نکتہ پر لانے کا موثر ذریعہ ہے۔

ذکر

اندر کے مگر مچھوں کو مات کرنے کا ہتھیار

کثرت ذکر، انسانی شخصیت میں موجود خیر و شر کی قوتیوں میں ایک عرصہ تک
شدید گلکراوہ پیدا کرنے اور اس شخصیت کے وسیع تر سمندر میں عرصہ تک غوطہ زنی
کرنے اور اس سمندر میں موجود مگر مچھوں کو مات کر کے، موتی و جواہر اپنے ساتھ
لانے اور انسانیت کو ان موتیوں و جواہر سے آشنا کرنے کا باعث ہے۔

ذکر

مادی حسن پر فدا ہونے سے بچاؤ کی صورت

ذکر، فرد کو ہر حسین چیز کی طرف کشش محسوس کر کے مادی حسن پر فدا ہونے اور مادی حسن کی ہر طرح کی چیزیں اپنے دل کے گھر میں لا کر رکھنے اور ان سے آخری حد تک تسلیم حاصل کرنے کے احساسات و جذبات سے بلند کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ کثرت ذکر کا نور فرد کے ہر طرح کے منفی جذبات کو بریک لگانے اور منفی نوعیت کی سوچ کو روک کر اسے ثابت و پائیزہ سوچ کا حامل بناتا ہے۔

ذکر سے ظرف میں وسعت کا پیدا ہونا

کثرت ذکر کا نور فرد کے ظرف میں اتنی وسعت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنوں اور غیروں اور عزیزوں اور دشمنوں سب کے لئے سراپا محبت اور سراپا خیر کے جذبات سے سرشار ہو جاتا ہے، ذکر فرد میں اشتعال، جھنجلاہٹ، جذبات سے بے قابو ہونے اور نفرت جیسی چیزوں سے بلند کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ذکر، فرد کے دل سے دنیا کی ہبیت، مال کی محبت، دوسروں کی دولت کی طرف نظریں جانے، مال کی فکر اور کل کی فکر جیسی چیزوں سے بے نیاز کر کے، اپنی ساری توقعات کو اللہ کی ذات سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ذکر

اللہ سے ملاقات کو غالب کا ذریعہ

ذکر، فرد پر ہمہ وقت، اللہ سے ملاقات کے احساس کو غالب کر دیتا ہے، صاحب ذکر ہمہ وقت اسی فکر میں غلطان رہنے لگتا ہے۔ ذکر فرد میں دنیا کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے احساس کو بے پناہ کر دیتا ہے۔

ذکر

جنہی جذبات کے تلاطم میں
حداعتدال پیدا کرنے کا طریقہ

ذکر بے پناہ جنسی جذبات کے تلاطم کو حداعتدال میں لا کر، اللہ کے ساتھ والہانہ محبت کی راہ پر گامزن کرنے اور اس محبت کے ذریعہ سارے فطری جذبات کی تسلیم کا باعث ہے، جنسی جذبات، اس کی طوفانی اہمیں اور اس کی اشتعال انگیزیاں، جو فرد کی جسمانی توانائی اور شخصیت کو دیک کی طرح چاٹ دیتی ہیں، فرد، ذکر کی برکت سے بے لگ جنسی جذبات کی ان ہیجان خیزیوں اور ہر جنسی عمل کے بعد دوسری بار، تیسرا بار اور مسلسل جنسی لذت اور اس کے ابھار کے شیطانی چکر سے نکل کر، اپنی یہی توانائیاں محبوب حقیقی سے محبت میں صرف کر کے، بے پناہ تشفی حاصل کرنے لگتا ہے۔

ذکر

دامغ کو نور کے اجزاء سے بہرہ ور کرنے کی راہ

ذکر، دامغ کو نور کے اجزاء سے بہرہ ور کر کے، اسے بھکاؤٹ اور حداعتدال سے تجاوز کرنے سے بچاتا ہے، ذکر کا نور، اہل علم کو ان کی نفیات میں پیدا ہونے والے فساد سے بچا کر، ان کی ذات کو اپنے لئے اور معاشرہ کے لئے خیر و برکت کا باعث بنتا ہے۔ ذکر فرد کی یہ مزاجی ساخت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ محبوب حقیقی یعنی اللہ سے دنیا کی بجائے اللہ کی چاہت اور اسی کو مقصود بنانے کی طلب کرتا ہے۔

کثرت ذکر اس حقیقت کی آگاہی کا بھی ذریعہ ہے کہ اللہ کی محبت سے خالی زندگی ہزارہا دکھوں، غموں، صدموں، بے پناہ مادی ترغیب و تحریک کے ذریعہ فرد کی شخصیت میں ٹوٹ پھوٹ، نفسیاتی بگاڑ، دلی امراض اور نہ ختم ہونے والے

فکری انتشار کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذکر ساری کامیابیوں کی کلید ہے اور ذکر سے محرومی ساری ناکامیوں اور ناکامیوں کے سارے احساسات کا مرکز ہے۔ اس پس منظر میں موجودہ دور کے عالمگیر فساد پر نظر ڈالی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ یہ سارا فساد محبوب حقیقی کے ذکر سے محرومی ہی کا نتیجہ ہے۔

مادیت پرستی کی آگ کا بھڑکنا

موجودہ دور میں مغرب نے مادیت پرستی کی آگ اس طرح بڑھکائی ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ اور کوئی گھر ایسا نہیں ہے، جہاں سے اس آگ کے شعلے بلند نہ ہوتے ہوں۔ مادی ترقی، ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کے نام پر ایسے علوم و فنون کا جادو جگایا گیا ہے، جس کا انسانی فطرت، انسان کی روحانی، معنوی اور حقیقی ضرورتوں اور انسانی نفیيات کے حقیقی تقاضوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تعلق ہے بھی تو جزوی نوعیت کا ہے۔ اس کا واضح ثبوت اور سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ آج انسان، درندوں سے نہیں، بلکہ خود انسان سے خود زدہ ہے۔ آج ترقی یافتہ انسان ہی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ساری انسانی تاریخ میں پچھلے سو سال میں اس نے لڑائیوں میں کروڑ ہا انسانوں کو قتل کیا ہے۔ مادی ترقی کا سارا سامان موجود ہونے کے باوجود آج انسانیت سکون، سکینت، خوشی، امن و امان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ اور بھوک کے خطرات سے دوچار ہے۔ مغرب نے انسانیت سے خوف زدہ ہو کر، کتوں کو اپنی زندگی اور اپنے گھر کا حصہ بنالیا ہے اور ان سے وفاداری کا رشتہ جوڑ لیا ہے، نفیاتی یماریوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، جس میں آج انسانیت بتلا ہے۔

یہ ساری چیزیں بتارہی ہیں کہ انسان کی ذاتی زندگی، اس کی اجتماعی، معاشرتی، تعلیمی اور عملی زندگی سے اللہ کے نام اور اس کے ذکر اور اس کے نور کو

نکالنے کے بعد انسانی زندگی کو جہنمی زندگی کے منظر سے بچانا ممکن ہی نہیں، بے خدا جدید تہذیب کا ایک بڑا "کارنامہ" یہ ہے کہ اس نے عالمی سطح سے لے کر شہروں کی سطح تک مہذب ڈاکوؤں کی ایک نئی موج ظفر موج تیار کی ہے، جو ڈاکٹروں، ٹیکنیکل ماہروں، تاجروں و صنعتکاروں والیں سیاست سے وابستہ ہے، یہ ڈاکو، اپنی ہی قوم کا خون چوں کر، جلد سے جلد کروڑ پتی سے ارب پتی اور کرب پتی بننے کے جنوں میں بتلا ہیں۔

اللہ کے ذکر سے محرومی اور تعلیمی اجتماعی نظام سے اس کے نام کو نکالنے کے یہ اتنے خوفناک نتائج ہیں، جس سے انسانیت کی بندیاں متزلزل ہو گئی ہیں اور کہراں مچا ہوا ہے۔

ذکر

اللہ کے لئے جینے اور اس کے لئے مرنے کے لئے
حوالہ پیدا کرنے کی صورت

ذکر، فرد میں اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے اور اللہ کے لئے دوسروں سے جڑنے اور کٹنے اور اللہ کے لئے دوستی اور اسی کے لئے دشمنی اختیار کرنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔

ذکر، فرد و افراد میں جماعتوں، تنظیموں اور شخصیتوں سے وابستہ رہنے کے باوجود مسلم امت کے ان کے احساس اور ملت پن کے جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ذکر، فرد میں کفر، منکر اور منکر کی طاقتیوں کے خلاف اس کے ایمانی جذبات میں شدت پیدا کر دیتا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے کردار کی ادائیگی کی فکر پیدا کر دیتا ہے۔

اہل ذکر کے اپنے دوست و احباب
کے بارے میں لطیف احساسات

اہل ذکر کو اپنے عزیز واقارب، دوست و احباب اور جاننے والے افراد
کے بارے میں یہ بات بے حد غم زدہ کردیتی ہے کہ وہ محبوب کے انوار حسن
سے بے بہرہ اور اس کے ذکر سے دور ہونے کی وجہ سے زندگی کے بے پناہ
مسئل کے دبے تلے رہ کر بے انتہا حد تک حالت رحم میں رہتے ہیں، وہ
ڈپریشن، بے یقینی، احساسات و جذبات میں تلاطم اور اشتعال و تحریص کی نفیات
کے مریض ہوجاتے ہیں۔ کاش کہ وہ ذکر کے ذریعہ محبوب حقیقی کے سایہ میں
آکر، زندگی کی حقیقی ٹھنڈک محسوس کریں اور اس ٹھنڈک کے احساس سے سرشار
ہو جائیں۔

ذکر کی حلاوت کا دوسری حلاوتوں
کو ماند کرنا

ذکر کی حلاوت ایسی ہے، جو فرد کے لئے دوسری حلاوتوں کو ماند کردیتی ہے
اور یہی حلاوت اسے ذکر کے لئے مجاہدوں پر مجاہدے کرنے پر آمادہ کرتی رہتی
ہے۔

ذکر، فرد میں کفر، باطل، مادہ پرستی کی قوتیں اور اس کے مظاہر، وہ چاہے
کتنے ہی خوبصورت اور تہذیب و کلپنگ کی صورت میں پیش ہوں، فرد اس سے کسی
صورت مرعوب نہیں ہوتا، اور مادہ پرستی پر مبنی تہذیب کے مظاہر اور اس کی چکاچوند
کو اپنے ایمان کے لئے ضرب کاری تصور کر کے، اس سے آخری حد تک بچنے کے
لئے کوشش ہوتا ہے۔

ذکر، فرد میں زندگی کے بارے میں یہ احساس طاقتوں کر دیتا ہے کہ ساٹھ ستر

سال کی کل زندگی چند لمحات سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے چند لمحات کے مستقبل کو
بہتر بنانے کی شب و روز کی فکرمندی حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں وَمَا أُمُّ الْسَّاعَةِ إِلَّا
كَلْمَحُ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ۔ وہ گھڑی (قیامت) واقع ہونے والی ہے آنکھ پچھکنے
میں یا اس سے زیادہ قریب۔

ذکر

روزی کی جدوجہد میں حدبندی کا
سیقہ سکھاتا ہے

ذکر، فرد کو روزی کی جدوجہد کے لئے بھی آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ یہ
ایک دینی فریضہ ہے، تاہم وہ فرد میں یہ سیقہ بھی پیدا کر دیتا ہے کہ روزی میں
انہاک اسے نماز اور عبادت سے غافل نہ کرے، زیادہ سے زیادہ دولت جمع
کرنے کے جنوں میں بہلانہ کرے، لوگوں کے حقوق تلف کرنے، ذخیرہ اندازوی،
جھوٹ اور فریب کے ذریعہ اسے حب مال کی راہ پر گامزن نہ کرے، اور دولت کو
اللہ اور اس کے دین کے لئے خرچ کرنے پر روکنے کا ذریعہ نہ بتے۔

ذکر

وقت کی قدر و قیمت کے بارے میں حساس کا ذریعہ

ذکر، وقت کی قدر و قیمت کے بارے میں بھی فرد کو بے پناہ طور پر حساس
ہنادیتا ہے۔ ذکر کرنے والا وقت کے ضیاء کا متحمل ہی نہیں ہوتا، اس لئے کہ
محبوب کے ذکر کی جس لذت سے وہ آشنا ہے، اس کی نظر میں ساری دنیا، بلکہ
ساری کائنات بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

ذکر کے ذریعہ حاصل ہونے والی کچھ صفتیں

کثرت ذکر سے جب مادی اور نفسی جذبات کی تہذیب ہوتی ہے تو فرد کو

انسانی نفیسیات کی اتحاد گہرائیوں کا علم عطا کر دیا جاتا ہے اور ایسا فرد زندگی کے ہر موڑ پر اپنے عمل اور قول کے ذریعہ افراد کی ایذا رسانی کی بجائے ان کی دل جوئی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اشتعال کے بڑے سے بڑے حالات میں بھی وہ صبر و ہر دباری کا دامن چھوڑنے نہیں پاتا، البتہ جہاں حق گوئی کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں وہ ڈٹ جاتا ہے اور اپنی بات کو حالت اشتعال کے بغیر محبت، درد اور حکمت و بصیرت سے بیان کرتا ہے۔

ذکر کی بدولت فرد کو زندگی کے ضروری معاملات میں بہتر عقلی صلاحیتوں سے بھی نوازا جاتا ہے، پونکہ نفسی اغراض نہیں ہوتے، اس لئے عقل کو اغراض و مفادات سے بلند ہو کر، آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقعہ ملتا ہے، اس لئے ذکر کے صاحب کو معاملات میں غلطمندی کا سلیقہ عطا فرمایا جاتا ہے۔

ذکر، فرد میں علم، ذہانت اور ضرورت سے زیادہ دولت کو اللہ کے کمزور بندوں میں خرچ کرنے کا داعیہ بھی پیدا کرتا ہے، جس سے اس کی ایمانی حلوات اور محبوب حقیقی سے تعلقات میں اضافے پر اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

کثرت ذکر کا حامل فرد، دولتمندوں کی شان و مان کی طرح رہنے اور اس طرح کی معاشرتی زندگی اختیار کرنے اور نوکروں اور خادموں کے جلو میں رہنے کو اپنے لئے کسی طرح پسند نہیں کرتا، بلکہ اس طرز معاشرت کو وہ ذکر کے ثمرات سے محرومی سمجھنے لگتا ہے۔ البتہ ضرورت کے تحت مکان و گاڑی و خادم کا ہونا اس کے منافی نہیں۔

ذکر، فرد و افراد میں نور کے حصول کے لئے قوت ارتکاز کی وجہ سے ان کی ڈھنی اور عملی صلاحیتوں کے فضول استعمال کے راستے بند کر کے، ان صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے، چنانچہ صاحبان ذکر نہ صرف یہ کہ اپنے شعبہ سے وابستہ علوم و فنون میں مہارت کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ دوسراے افراد کے مقابلہ

میں ان کی قوت کا رکرداری بھی غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ ذکر، اہل علم اور اہل دانش میں اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کام کی منصوبہ بندی کرنے اور کام کے خیالی نقشے بتاتے رہنے، قیل و قال اور دوسروں کو ان کی طلب کے بغیر بلا ضرورت مشورے دیتے رہنے اور ان کے کاموں میں مداخلت کرنے اور ان سے زیادہ توقعات وابستہ کرنے کی بجائے انہیں معاملات زندگی و مسائل حیات کے سلسلہ میں حقیقت پسند بنانے کا ذریعہ ہے۔

ذکر فرد کو ادھر ادھر دیکھتے رہنے اور بوقت بہت سارے کام ہاتھ لینے کی بجائے انہیں ایک ہی کام اور ایک ہی نقشے پر زندگی بھر مستقل مزاجی سے کام کرنے کی راہ پر گامزن کرنے کا موجب ہے۔ اس طرح صاحبان ذکر، تو انہیوں کی تقسیم کی وجہ سے ہونے والے نقصان اور وقت کے فضول استعمال سے نجیج جاتے ہیں۔

ذکر، فرد و افراد میں صبر و شکر، محبت و رواداری، دوسروں کے دکھ درد میں کام آنے، اور زہد و درویشی جیسی صفات پیدا کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

ذکر، فرد کے فناستیت کے سفر کو خیر خوبی سے طے کرنے کا مؤثر ترین وسیلہ ہے، فناستیت کا مطلب یہ ہے کہ فرد، نفس کی جملہ قوتوں کو پاپاں کر کے، ذلیل کر کے، ان کی سرکشی کے زور کو توڑ پھوڑ کر کے، اسے انسانی جوہروں سے سرشار کر دے، فرد خواہشات کو حد انتہا میں رکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جائے۔ یہ سفر ایسا ہے جو اگرچہ طویل ہے اور دشوار گزار بھی، لیکن نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے کا یہ سفر کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ ہی طے ہوتا ہے۔ فناستیت کے اس سفر کو طے کئے بغیر فرد نفس کے حوالے سے حالت خطرہ میں ہی رہے گا، اس خطرہ سے نکلا اس کے لئے دشوار تر ہے۔

کثرت ذکر کا صاحب اپنی نفسی قوتوں کے طویل ترین تجربات کی وجہ سے

آخر وقت تک اسے اپنے نفس پر اعتماد و اعتمان نہیں ہوتا، وہ ہمہ وقت اللہ سے اس کے فضل کا متنی رہتا ہے، اللہ کے بندوں میں وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ سیہے کار اور قبل اصلاح سمجھتا ہے، اس لئے کہ طویل عرصہ تک اس کے یہ تجربات رہے کہ سارے مجاہدوں کے باوجود وہ نفسی قوتیں کو مطمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، برسوں تک اس کا نفس اسے زیر وزبر کرتا رہا، جب محبوب حقیقی نے فرد کی ہمت و حوصلہ، مستقل مزاجی اور صبر آزماء جدو جہد دیکھی تو اس نے اپنے فضل خاص سے طالب کے فنا نیت کے سفر کو قبل ذکر حد تک طے کر دیا اور آسان کر دیا۔

اہل ذکر کو زندگی بھر

دل کو رگڑتے رہنے کا طعنہ دینا

یہ کہنا کہ ذاکر اور صوفی زندگی بھر دل کے آئینہ کو رگڑتا رہتا ہے، رگڑنے کے اس عمل سے اسے زندگی بھر فرست نہیں ملتی، اس طرح اس کی ساری توانائیاں دل کو رگڑنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے، جو نفس کی ہولناک قوتیں سے نا آشنا ہے۔ یہ کہنے والا اگر اس پر غور کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس تفکر کی وجہ سے وہ یہ بات کہتے وقت کانپ اٹھتا، اس لئے کہ یہ بات نفسیاتی طور پر تہذیب نفس، ترقیہ نفس کے عمل سے اعراض اور اس عمل کی تحقیر کا نتیجہ وذریعہ ہے۔ اعمال کا سارا دارود مدار اخلاص نیت سے وابستہ ہے، اخلاص کے بغیر اعمال بے وزن ہو جاتے ہیں۔ نفسی قوتیں کی موجودگی میں عمل میں اخلاص کی جو حیثیت ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ کثرت ذکر کے بغیر اخلاص کا حصول ناگزیر ہے۔ اس کام کی تحقیر کرنا حماقت درحماقت ہے۔

ذکر سے عبرت و موعظت کی

صلاحیت کا حاصل ہونا

ذکر، فرد میں عبرت و موعظت حاصل کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کرتا

ہے، قرآن و حدیث میں گناہگاروں کے لئے وارد و عید کو وہ اپنے بارے میں عید سمجھ کر لرزائ و ترسائ رہنے لگتا ہے اور اللہ کی طرف اس کے رجوع کو مزید بڑھانے کا ذریعہ بتی ہیں۔

ذکر سے دور افراد کا دین کے حقوق سے آشنا ہونا مشکل ہے

صاحبانِ ذکر کو مشاہدہ ہوتا ہے کہ ذکر سے نا آشنا افراد یا سرسری ذکر کے حامل افراد کا مزاجی ڈھانچہ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ انہیں دین کے حقوق سے آشنا کرنا اور نفس کی گھرائیوں میں موجود خراپیوں سے واقف کرنا دشوار تر ہوتا ہے، وہ اکثر زندگی بھر قابلِ رحم حالت میں ہوتے ہیں۔ اور علم و دانشوری کے باوجود وہ روح اسلام سے آشنا نہیں ہو پاتے۔

صاحبانِ ذکر سب سے زیادہ اپنی فکر کرتے ہیں اور اللہ کے ہاں اپنے احتساب کے بارے میں حالتِ خطرہ کے احساس میں رہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دوسروں کے بارے میں فکر مندر رہتے ہیں۔

کثرت ذکر کا نور، مادی دنیا میں رہنے کے باوجود فرد کو وجودانی اور نفسیاتی طور پر دوسرا دنیا میں رہنے کا حامل بنادیتا ہے، اس کی سوچ، اس کے تفکرات اور اس کے جذبات و احساسات دوسرا دنیا کے حوالے سے ہی متحرک ہوتے ہیں۔

ذکر اپنے ساتھ دعوت دین، اشاعت دین اور غلبہ دین کے جذبات بھی لاتا ہے، ذکر میں اضافہ کے ساتھ ساتھ فرد اشاعت دین اور دعوت دین کے لئے دامے درمے سخنے کردار ادا کرنے لگتا ہے، اگرچہ مبتدی و متوسط فرد کے دعوت دین کی نوعیت وہ نہیں ہوتی جو ہونی چاہئے، تاہم مبتدی و متوسط فرد سے بھی اللہ کی محبت اس بات کا متفاوضی ہوتی ہے کہ اللہ کی محبت سے نا آشنا افراد تک لظریغ کے ذریعے سے، گفتگو سے یا گھر میں مجلسوں وغیرہ کے ذریعے اس دعوت کو

پہنچانے کے لئے کوشش ہوں۔

متوسط صوفی کی ایک حد تک ترقی اس طرح کے کاموں سے وابستہ ہے۔ البتہ متشقی صوفی تو اسی خدمت کے لئے معین ہوتا ہے۔ دین کی مظلومیت، بے دینیت کے غلبہ، انسانی اقدار کے پامالی کے دور میں تو ذکر کے حوالے سے لوگوں تک بات پہنچانا مزید ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سے فرد کے لئے خود ذکر کے لئے ارتقا کی راہیں بھی کھلانا شروع ہو جاتی ہیں، تاہم مبتدی و متوسط فرد کو یہ کام اپنے روحانی استاد کے مشورے اور اس کی معیت میں کرنا چاہئے۔

ذکر میں مجاہدے کرنے والے شخص پر یہ بات مشاہدہ ہوتی رہتی ہے کہ دولت کے لئے بہت زیادہ کاؤشیں کرنا فرد کو بہت سے خطرات میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس سے اس کے عزیز واقرباً، دوست و احباب میں حسد کی آگ بھڑکنے لگتی ہے، ذکر کے لئے اس کی کاؤشیں متاثر ہونے لگتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی حدیثیں گونجتے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا جس گروہ میں دولت آتی ہے، اس میں دشمنی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا علمائے کرام دین کے امین ہیں، لیکن تب تک جب ان کے مالداروں سے تعلقات پیدا نہیں ہوتے، اس وقت وہ دین کے رہن بن جائیں گے۔

چونکہ دولت میں بے پناہ کشش ہیں، مان مرتبہ اور شان و شوکت بھی دولت ہی سے وابستہ ہے، اس لئے دولتمند اکثر نگاہ بد کا شکار ہو جاتا ہے۔

اعمال کا وزن

اخلاص سے وابستہ ہونا

اہل ذکر کی نظر میں اللہ کے ہاں اعمال کے وزن اور قدر و قیمت کا پیمانہ اخلاص، للهیت اور بے نفسی ہے، اس کے بغیر بڑے سے بڑے اعمال کی حیثیت ریت کے ذریعوں سے مختلف نہ ہوگی، جو بے وقت ہوتے ہیں، اور ہوا انہیں اپنے

ساتھ اڑائے جاتی ہے، یہ اخلاص ہی تھا، جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابی کی طرف سے اللہ کی راہ میں جو کی مٹھی خرچ کرنا زیادہ افضل ہے، دوسرے امتویں کی طرف سے احمد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے، صحابہ کرام میں اخلاص کا کمال حضور ﷺ کی صحبت سے ہی پیدا ہوا تھا، اب اخلاص کے یہ اجزاء صحبت اہل اللہ اور کثرت ذکر سے ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

نفس کی طرف سے نیکی کے ہر عمل میں
اپنا حصہ رکھنے کی تمبا کا ہونا

انسانی نفس کی سب سے بُری خاصیت یہ ہے کہ وہ نیکی کے ہر عمل میں اللہ کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی رکھنا چاہتا ہے، مثلاً اچھا عمل اس لئے کیا گیا، تاکہ لوگوں کی نظر میں یہ کردار ادا جائے۔ دکھاوے، خون دنمائی و خود پسندی کی نفیات لگ ہجگ ہر شخص کی نفس کی گہرا یوں میں موجود ہے، ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر نفس کی ان بُرا یوں کا ازالہ اور تزکیہ نہیں ہوتا۔
ذکر کا، نفس کی طلسماتی دنیا کو توڑنا

ذکر کی راہ کی دشواری (جس کی وجہ سے افراد اس طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اگر آتے بھی ہیں تو جلد راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں یا ذکر کی راہ میں مست رفتاری کے ساتھ چلتے ہیں) کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ذکر، نفس کی بنائی ہوئی طلسماتی دنیا کو توڑنا شروع کر دیتا ہے، اس کی وجہ سے نفس کی قوتیں غیر معمولی طور پر مشتعل ہو کر، فرد پر حملہ آور ہوتی ہیں اور وسوسوں اور خیالات کے ہجوم کے ساتھ نفس مزاحمت کرنے لگتا ہے، نفس کے ساتھ ساتھ شیطان بھی پوری قوت صرف کرنے لگتا ہے کہ فرد ذکر کی راہ اختیار نہ کرے۔ پھر ذکر کی وجہ سے دنیاوی تعلقات کے حوالے سے مصروفیات کی حد بندی کرنی پڑتی ہے، پرانے دنیادار دوستوں سے تعلقات سے صرف نظری کرنی پڑتی ہے۔ یہ ساری چیزیں مل

ملکر فرد کو پہلے مرحلہ میں ذکر کی راہ ھمایہ پہاڑ طے کرنے کے متعدد معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذکر کی راہ میں حائل یہ ساری خوفناک رکاوٹیں عارضی نوعیت کی ہیں اور یہ ڈرانے خواب کی حیثیت رکھتی ہیں، اس سے نفس اور شیطان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ طالب کو خوف زدہ کر کے، اسے اس راہ پر جانے سے روکا جائے اور اللہ کی طرف جانے کے اس کے حوصلوں کو پست کر دیا جائے، لیکن جب طالب، ہمت کا مظاہرہ کر کے، اس راہ پر چنان شروع کر دیتا ہے، روحانی استاد سے رابطہ میں رہنے لگتا ہے۔ آہستہ آہستہ دوستی کے پرانے ماحول کو تبدیل کرنے لگتا ہے، کچھ نہ کچھ ذکر و فکر شروع کر دیتا ہے تو داخل میں موجود رحمانی قوتیں اسے تھامنے لگتی ہیں اور نفس کے طوفان کے مقابلہ میں اسے سہارا دینے لگتی ہیں۔

ذکر کا مادہ پرستی کی قوتیں کے خلاف پناہ گاہ ہونا

اس نکتہ کو سمجھنا بھی بھی ضروری ہے کہ نفسی قوتیں ہوں یا مادہ پرستی کی مقامی و عالمی قوتیں یا دوسرے دشمن، ان سب کے مقابلہ کے سلسلہ میں ذکر ہتھیار اور پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے، ایک حدیث شریف میں اس کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ ذکر کی مثال اس قلعہ کی سی ہے جس میں، دشمنوں سے بچاؤ کی پوری صورت موجود ہو، ذکر کرنے والا جب ذکر کے ذریعہ اس قلعہ اور اس کے حصار میں آ جاتا ہے تو وہ ہر طرح کے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ذکر پر محنت سے دین کے

سارے کاموں کا بہتر طور پر سرانجام ہونا

دین کے سارے کاموں کے سلسلہ میں ذکر کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ

ان سارے کاموں کی بہتر طور پر سرانجامی کا تعلق ذکر کے نور سے وابستہ ہے، ذکر پر جس قدر محنت ہوگی، دین کے سارے کام اسی حساب سے بخیر و خوبی سرانجام ہوں گے، ذکر سے جتنی غفلت ہوگی، دین کے دوسرا سارے کاموں کی سرانجامی مشکل سے مشکل تر ہوگی۔ ذکر، ایمان و یقین کی قوتِ مُتکم کرتا ہے، یہی ایمان و یقین کی کیفیت عملی زندگی میں فرد کو دین پر مستحکم رکھنے کا کردار ادا کرتی ہے۔ ذکر ایک نور ہے، جو ہر طرح کی تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندر ہیروں کو دور کر کے، فرد و افراد کو روشنی فراہم کرتا ہے، جس سے فرد آسانی اور تیز رفتاری سے سفر کر سکتا ہے۔ ذکر نہ ہونے یا کم اور برائے نام ہونے سے فرد کے لئے تاریکیوں میں بھٹکنے اور تاریکیوں میں سفر کر کے راستے کے پھرلوں سے ٹکراؤ ہی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

ذکر سے محرومی کی وجہ سے

نفس پرست انسانوں کی فوج ظفر موج کا پیدا ہوتے چلے جانا

ہماری سیاست کے نقشے ہوں یا تجارت و کاروبار کے یا سرکاری مشنزی کے تعلیم و تربیت کے نقشے ہوں یادین کے نام پر تنظیموں اور جماعتوں کی صورت گری ہو، ان سب میں خرابی، بے برکتی، اور فساد و انتشار کا نیادی سبب ایک ہی ہے کہ ان اداروں میں اللہ کے ذکر کے نور کو شامل کرنے سے انکار یا اس سے فرار کی راہ اختیار کی گئی ہے، جس کی وجہ سے نفس پرست اور دنیا دار انسانوں کی فوج ظفر موج پیدا ہوتی جا رہی ہے، انتظامی صلاحیت، ٹیکنالوژی مہارت، تیزی استعداد، وسائل کی بہتات، میٹنگوں کی کثرت، منصوبہ بندی وغیرہ کا اہتمام وغیرہ سب موجود ہے، لیکن اللہ کے جس ذکر و تسبیح سے ساری اشیائے کائنات متحرک وزندہ ہیں اور اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ ذکر کی یہ روح عنقا ہے۔

اس کا نتیجہ حرص و ہوس، ٹکراؤ، مال جمع کرنے کے جنون اور فساد کے سوا

کوئی نکل سکے، ممکن ہی نہیں۔

نفس کی فساد بربپا کرنے والی
بعض "خصوصیات" یعنی خرابیاں

نفسی قوتوں کی مثال جہنمی انگاروں کی سی ہے، ان جہنمی انگاروں کی کثرت
ذکر کے بغیر بچھنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

نفس کے گھرے تجزیہ و تحلیل کے بعد درویشوں کو اس کی جن خصوصیات
یعنی خرابیوں سے واسطہ پڑتا ہے، وہ ایسی خرابیاں ہیں جو انسانیت کو فساد سے
دوچار کر دیتی ہیں۔

انسانی نفس کی ایک "خصوصیت" یعنی خرابی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات ہی کو
محبوب رکھتا ہے، دوسروں کے ساتھ اس کے تعلق کا پیمانہ یہی ہے کہ وہ اس کے
نفسی مفادات کی تکمیل میں کس حد تک معاون ہیں، اگر معاون نہیں ہیں تو اس کا
ان سے کوئی تعلق نہیں، چاہے وہ مرے یا جئے، نفس کی یہ خرابی ایسی ہے، جس کا
اس کی طرف سے زندگی کے ہر موڑ پر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔

نفس کی دوسرا "خصوصیت" یعنی خرابی یہ ہے کہ اسے اپنے عیب اور
نناقص نظر نہیں آتے، اسے ہر وقت دوسروں کے عیوب کی تلاش رہتی ہے اور وہ
دوسروں کی تتفیص تردید اور ان کی خرابیوں اور عیب جوئی میں مصروف رہتا ہے،
باخصوص اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں سے وہ شدید کدورت رکھتا ہے۔ اس کی
کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی، جس میں وہ اپنے حلقہ احباب اور عزیز وقارب کے
عیوب کو افشاں کرنے کے لئے کوشش نہ ہو۔

انسانی نفس کی تیسرا "خصوصیت" یہ ہے کہ وہ گھر سے لے کر دفتر، بازار
اور دوستوں و ساتھیوں سب میں ممتاز بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس کی ہمہ وقت یہی
آرزو رہتی ہے کہ دوسراے اس کی عزت و تکریم کریں اور اس کے امتیازی شان کو

کسی بھی طرح مجروح نہ کریں اور اسے ممتاز حیثیت دیں، اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ
یا تو احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے یا ایسا نہ کرنے والوں کے بارے میں اس کا
دل میلہ ہو جاتا ہے۔ نیز اس سے وہ سخت رنجیدہ اور غم زده ہو جاتا ہے۔
اگر اسے صلاحیت اور قوت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایسے افراد کے خلاف
سازشیں شروع کر دیتا ہے۔

انسانی نفس کی چوتھی "خصوصیت" یعنی خرابی یہ ہے کہ وہ خودنمائی اور جذبہ
شہرت کا حریص ہے۔ وہ اپنی تعریف و توصیف سننے کا مشتاق رہتا ہے، ناکرده
کاموں کے بارے میں بھی اس کی تمنا ہوتی ہے کہ دوسراے اسے سراہیں اور اسے
داد دیں۔ جب اس کی تعریف ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، اگر ایسا نہیں ہوتا تو
وہ اپنے ساتھیوں سے دلی طور پر زنجیدہ ہونے لگتا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر اس کا
اظہار نہ کر سکے۔

انسانی نفس کی پانچویں "خصوصیت" یہ ہے کہ اس کا دل ہر وقت دولت
میں اٹکا رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانا اور دولت کے انبار مجع کرتے رہنا،
گویا اس کے مقاصد زندگی میں شامل ہو جاتا ہے، دولت کے سلسلہ میں اس کی
ہوں کسی بھی حد پر آ کر رکنے نہیں پاتی۔ ہر شخص مالدار سے مالدار تر بننے کی
حرست میں رہتا ہے اور اس کے لئے توانائیوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ ہر
طرح کے ذرائع بھی استعمال کرتا ہے۔

انسانی نفس کی چھٹی "خصوصیت" یعنی خرابی یہ ہے کہ وہ مادی حسن پر فریفہ
رہتا ہے، حسین تصویریوں کو دیکھنا، جنسی لذت سے آخر حد تک ممتنع ہوتے رہنا،
عورتوں کا حسین مردوں کو دیکھتے رہنے کی آرزوؤں کا ہونا اور مردوں کا حسین
عورتوں کو دیکھنے کی اخطراب کی حد تک آرزوؤں کا ہونا ہے۔

انسانی نفس کی ساتویں "خصوصیت" یہ ہے کہ وہ اپنے عزیز وقارب

دوست و احباب اور جماعتی ساتھیوں کو معاشری و معاشرتی سرگرمیوں میں آگے بڑھنے اور قیادت و سیادت کے مقام پر فائز ہوتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا۔ جب اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ حسد اور جلن کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں جب تک نفس کی ان خرایبوں کا کسی حد تک ادارک موجود تھا، تب تک ہمارا معاشرہ ہمہ گیر و ہمہ جنتی فساد سے محفوظ تھا اور ہمارے گھروں اور معاشرتی زندگی میں کسی حد تک خیر و برکت موجود تھی اور محبت و رواداری کی تھوڑی بہت فضا موجود تھی، لیکن اب چونکہ تعلیمی اداروں اور الیکٹرانک میڈیا کے طاقتوں ذرائع نے نفس پرستی کی ان قوتوں کا ادارک اور شعور سلب کر دیا ہے اور ہر شخص اپنے آپ کو آزاد، خود اختیار بلکہ دانشور سمجھنے لگا ہے۔ اس لئے افراد کی ان نفسی خرایبوں نے قیامت سے پہلے قیامت برپا کر دی ہے۔ نفس کی ان خرایبوں کے ازالہ کی سلسلہ میں ذکر اور صحبت اہم کردار ادا کرتی ہے اور افراد کو متوازن مزاج کا حامل بنانے کرنے انسانیت کے حقیقی درد سے آشنا کرتی ہے۔

انسان کا جو ہری مخلوق ہونا

اور ذکر اس کی غذا ہونا

فرد کے ذہن، مزاج، نفیسات اور دل کے تجزیہ و تحلیل کی جتنی بھی صحیح کاوشیں ہوئی ہیں اور مزید ہوں گی، وہ اس بات کو واضح سے واضح تر کرتی جا رہی ہیں کہ انسان جیوانی الصل مخلوق نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی جو ہری مخلوق ہے، جو اپنی اصلاحیت کی تلاش میں ہے اور اس کے لئے مضطرب ہے۔ انسانی مزاج، ذہن اور نفیسات کی تسلیکیں کی صورت اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ انسان کی اشرف الحلقات کی حیثیت کو سمجھا جائے۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفْلَامٌ بَثَثْتُمُوهُنَّ مِنْ نَّاسٍ يَا تَمہارے اندر موجود ہیں، آخر تم دیکھتے کیوں نہیں) کی صدا کو اہمیت دی جائے

اور ذہنوں اور مزاجوں کی تشکیل و تعمیر و نشوونما میں ان فطری صداؤں کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے۔ انسان کو ہر طرح کے ہنچی خلفسار اور باہمی تصادم سے بچانے کی اس کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں۔

ذکر نام ہے

ہر طرح کے بتوں کو توڑ کر، عقیدہ توحید کو راست کرنے کا

ذکر دراصل نام ہے، ہر طرح کے بتوں اور دوئی و دوسری سے بچ کر، توحید کے عقیدہ کو راست کرنے، توحید کو زندگی کا نصب اعین بنانے، توحید کے جملہ اعتقادی و عملی تقاضوں کو پورا کرنے اور صبغۃ اللہ (یعنی اللہ کے رنگ) کو غالب کرنے کا، کثرت ذکر کا نور یہی کردار ادا کرتا ہے۔ کثرت ذکر کے بغیر غیروں کی غلامی اور ان کے نصوروں سے گلوخالاصی ہو سکے اور عقیدہ توحید راست ہو سکے، ممکن نہیں۔

ذکر

شرافت و وقار کا پیکر بنانے کا ذریعہ

ذکر، فرد کو انسانی شرافت کا پیکر بنادیتا ہے، اور شرافت، وقار، متنانت اور سنجیدگی کے منافی چیزوں سے اس میں پیزاری پیدا کر دیتی ہے۔ صاحب ذکر انسانی وقار کے منافی موجودہ معاشرہ کی صورت گری پر ماتم کناب رہتا ہے۔
تعلیم و تربیت اور میڈیا کے

سارے ذرائع کا شیطان کے آلہ کار کی حیثیت اختیار کر جانا

شیطان کے عالمی نمائندوں نے اس دور میں انسانی معاشروں کو حیوانوں، بلکہ بدتریں درندوں کی صورت دی ہے، صاحبان ذکر ان حالات کی تبدیلی کے سلسلہ میں اپنی بے بی پر خون کے آنسو بھائے بغیر نہیں رہ سکتے، اس

لئے کہ تعلیم و تربیت و میڈیا کے تقریباً سارے ادارے شیطان کے عالمی نمائندوں کے آله کار بن کر شب و روز افراد معاشرہ کے حیوانی و بھیانہ جذبات کو ابھارنے و مشتعل کرنے کی کاوشوں میں مصروف ہیں۔

ذکر کے کچھ خواص

ذکر کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ایک نور ہے، اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ محبوب حقیقی کی محبت کو فروزانہ تر کرنے کا ذریعہ ہے۔ محبوب حقیقی سے ذکر کے ذریعہ ہونے والی یہ محبت اپنے ساتھ تعلیم و تربیت کا نظام بھی لاتی ہے، جس سے احساسات کی دنیا بدل جاتی ہے، حیثیت دین پیدا ہوتی ہے، محبوب کے لئے والہانہ پن اور فدائیت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اس کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے احساسات فروغ پذیر ہوتے ہیں، شیطان اور کفر کے عالمی و مقامی نمائندوں کے خلاف جدوجہد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، خدمت دین کے لئے اپنی صلاحیتوں و توانائیوں کے مطابق کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ ذکر، خیر کے ہر کام کو کرنے اور شر کے ہر کام سے بچنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

مبتدی طالب کا

خودنمائی و خودپسندی کا شکار ہونا

طالب، بالخصوص مبتدی طالب چونکہ بُری طرح نفسی قتوں کے زیر اثر ہوتا ہے، اس لئے اسے زیادہ قیل قال اور تبادلہ خیال کی اجازت نہیں، اس لئے کہ زیادہ گفتگو سے تحت الشعور میں موجود اس کی نفسی قوتیں کارفرما ہونے لگتی ہیں، اور اس کے قیل قال سے مقصود خودنمائی و خودپسندی کے جذبات کی تسکین ہی ہوتی ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

ذہین افراد کی ذکر کے حلقوں سے دوری
اور اس کے اثرات

موجودہ دور میں تصوف و اہل تصوف میں ایسے افراد بہت کم ملتے ہیں، جو دین کی مظلومیت، مسلم امت پر کفر کی علیہ بردار قتوں کی بیخار اور اسلامی دعوت کے فروع کے جذبات و احساسات رکھتے ہوں اور اس کے لئے متحرك ہوں، یہ ایسا سوال ہے، جس پر درد مند دینی حلقوں میں فکرمندی پائی جاتی ہے، اس کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں، لیکن رقم الحروف کی نظر میں اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ معاشرہ کے ذہین، متحرك اور علمی مزاج کے حامل افراد عام طور پر تصوف و اہل تصوف کی طرف رجوع ہونے کے لئے تیار نہیں۔ یہ روحانی عقلیت کی عالمی تحریک کے زیر اثر ہو یا اپنے علم اور اپنی ذہانت پر غیر معمولی اعتماد اس کا سبب ہو، حقیقت یہی ہے کہ علمی و عملی صلاحیتوں کے حامل جدید چیخنے کا فہم رکھنے والے افراد کی بہت بڑی اکثریت اہل ذکر اور ان کے حلقوں سے استفادہ کے لئے تیار نہیں۔ اہل ذکر کی طرف عام طور پر وہی افراد رجوع ہوتے ہیں، جو دنیا کے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اگر ذہین و علمی افراد اس طرف رجوع ہوں تو دل و روح کی انوار اللہ سے فیضیابی کی وجہ سے وہ معاشرہ کو اپنی صلاحیتوں سے غیر معمولی فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

دینی مدارس میں ذکر کا عدم اہتمام
اور اس کے نتائج

موجودہ دور میں اکثر دینی مدارس میں صحبت و ذکر کا نہ صرف یہ کہ اہتمام نہیں ہے، بلکہ اس پر ذہن سازی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مدارس سے فارغ علماء کی ایک تعداد مخفی دنیاوی ڈگریوں کے نہ ہونے پر شدید احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ علماء کی ایک تعداد جو اپنی صلاحیتوں سے کalogوں کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے، ان میں سے کئی علماء کی یہ

حالت دیکھی گئی ہے کہ داڑھیاں مختصر کر دی گئی ہیں، نماز کا اہتمام ختم ہو گیا ہے، دنیاوی مربوبت غالب ہو گئی ہے۔ یہ ایسی افسوسناک صورتحال ہے، جس پر دینی مدارس کے ذمہ داروں کو ذکر و فکر اور صحبت صالحہ کے اہتمام کو نصاب کے حصہ کے طور پر شامل کرنا چاہئے۔ ورنہ دینی مدارس اپنے ہی افراد کو دجالی تہذیب کی لیگار کا شکار ہونے سے روکنے میں ناکامی سے دوچار ہوں گے۔ اور یہ ناکامی امت کے لئے بہت بڑا المیہ شمار ہوگی۔

ذکر سے محرومی، جھنجھلاہٹ

اور منفی مادی خیالات کے غلبہ کا ذریعہ

ذکر اور اہل ذکر کی صحبت کے ماحول سے محرومی کا ایک نقصان جو ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ افراد کے مراج میں برداشت کی استعداد ختم ہو کر، جھنجھلاہٹ غالب ہو گئی ہے، جس سے معاملات کو سنجیدگی سے سلجنے کا گر باقی نہ رہا ہے، ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہر وقت منفی خیالات اور مادی سوچ غالب ہو گئی ہے، جس نے افراد کی زندگی کو زہر بنا دیا ہے اور افراد معاشرہ کو نفسیاتی مریضوں کے معاشرہ میں تبدیل کر دیا ہے، مغرب نے مذهب روحانیت کو مسترد کر کے، مادیت کا جو شیع بویا تھا، اس کے زہریلے اثرات نے مغربی قوموں کے ساتھ ساتھ مسلم امت کو بھی بُری طرح لپیٹ میں لے لیا ہے۔ مادہ پرست تہذیب کے منحوس سایہ سے انسانیت کا نپ اٹھی ہے۔ مذهب، روحانیت اور ذکر کے بغیر اس منحوس تہذیب کی تباہ کاریوں سے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی ہے۔

علمی سطح پر

روحانیت اور ذکر کو مسترد کرنے کے نتائج

موجودہ دور کے نفس پرست علمی اور مقامی سرمایہ دار نے لوگوں سے روحانیت اور ذکر کی نعمت چھین کر، اس پر روزگار اور معاشی خوشحالی کا بھوت اس

طرح سوار کیا ہے کہ زندگی کے مادی مستقبل کی بہتری کے علاوہ ساری سوچیں اور تفکرات کا عدم ہو گئے ہیں، انسان معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے۔ افراد معاشرہ پر ایک حدیث شریف کے الفاظ بالکل چسپاں ہو گئے ہیں کہ تم اگر اپنے اوپر ایک ہی فکر (اللہ کی فکر، اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت کی فکر) غالب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے تفکرات (اور ساری ضروریات) کے لئے کافی ثابت ہو گا۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے کہ تم کس وادی میں بھکتے پھر و گے۔

ذکر سے حاصل ہونے والی نعمتیں

زندگی کے ہر موڑ پر ذکر کی اہمیت فیصلہ کن ہے، ذکر، احساسات کو پاکیزہ رکھتا ہے، ذکر، غفلت و سستی کو دور کرتا ہے (جو بہت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے) ذکر، ایمان کی تاریگی کا موجب بنتا ہے، ذکر، فرد میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، ذکر، فرد کو ہر طرح کے حالات میں حوصلہ کے ساتھ اپنے فرائض و ذمہ داریاں ادا کرنے اور کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے، ذکر، فرد کی طبیعت کو خوشگوار رکھتا ہے، ذکر، دوسرے افراد کے ساتھ معاملات کو بہتر بنانے اور ان سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے، ذکر، شریعت پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں فرد کو حساس بنتا ہے، ذکر، فرد کو وقت کے فضول استعمال سے روکتا ہے، ذکر کا نور نظر کی حفاظت کرتا ہے، فرد کے خیالات کو پاکیزہ رکھتا ہے، ذکر، فرد کو مادی زندگی کی خوشحالی کی فکر سے اوپر اٹھاتا ہے، ذکر، فرد میں حالت فقر کو اپنے لئے خوش نصیبی سمجھنے کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ذکر سے وابستہ مالداروں

کے مراج کا تبدیل ہونا

ذکر سے وابستہ فرد و افراد چاہے بظاہر کتنے ہی مالدار ہوں، لیکن کثرت ذکر و کثرت صحبت ان کی مالداری کو غریبانہ مراج میں تبدیل کر دیتی ہے۔ وہ اگرچہ

بظاہر مالدار ہیں، لیکن باطن غریب ہیں، اس لئے کہ مال ان پر حکومت نہیں کرتا، بلکہ وہ خود مال پر حکومت کرتے ہیں، ایسے افراد اگرچہ معاشرہ میں تعداد میں بہت کم ہیں، نہ ہونے کے برابر، جو بھی ہیں، وہ اللہ کے دین اور اس کی مخلوق پر مال خرچ کرنے میں تنگی محسوس کرنے کی بجائے خوش محسوس کرتے ہیں، وہ مال کے دبے تلے رہنے کے احساسات سے بلند ہو جاتے ہیں۔ ذکر اور صحبت کے ساتھ مالداری زحمت نہیں، بلکہ باعث رحمت بن جاتی ہے۔ موجودہ دور میں ذکر و صحبت سے بے فکری کی وجہ سے ہی مالدار افراد، معاشرہ کے لئے عذاب کی صورت بن کر رہ گئے ہیں۔

ذکر کے حلقوں کا مسلم امت کے مسائل سے بے تعلق ہونا

ذکر (اہل تصوف) سے وابستہ حلقوں کا مسلم امت کے مسائل سے بے تعلق ہونا، بُرائی کی عالمی اور مقامی قوتوں سے صرف نظر کرنا، میدیا اور سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے ذریعہ سیکولرزم، لا دینیت، اور مادیت پرستی کو فروع دینے کے کاموں سے آنکھیں بند کرنا اور ان محاذوں پر سرگرم افراد، جماعتوں و اداروں کو ان کے حرم و کرم پر چھوڑنا اور نوجوان نسل کو الحاد و دہریت کی تحریکوں میں جانے سے روکنے کے سلسلہ میں کوئی کردار ادا نہ کرنا، اہل ذکر و اہل تصوف کی یہ روشن ناقابل فہم ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جسے امت کے مسائل سے دلچسپی نہیں وہ ہم میں سے نہیں، یہ بُرائی کو روکنے کے سلسلہ میں اپنے فرائض سے غفلت کا گناہ بھی ہے۔ بُرائی کو روکنے کی ایک صورت یہ بھی تو ہے کہ ان محاذوں پر سرگرم افراد و اداروں سے دامے درمے ختنے تعاون کیا جائے، تاکہ مسلم معاشرہ کی تہذیبی اور انفریاتی یلغار سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے۔

اہل مغرب کی ایک خصوصیت سے استفادہ کی ضرورت

اہل مغرب کی ایک مزاجی خصوصیت (جو ان کی ساری خرابیوں کے باوجود ان کے زوال کو روکنے میں کردار ادا کر رہی ہیں، جس سے ہمیں استفادہ کرنا چاہئے) وہ یہ ہے کہ مذہب و روحانیت کو مسترد کرنے کے بعد اس خلا کو پُر کرنے کے لئے ان کے ہاں روحوں سے رابطے یا ذہنی ارتکاز قوت کے نام سے نئے نئے تجربے ہو رہے ہیں۔ ان تحقیقات کو چونکہ وہ اپنی مادی زندگی کی کارکردگی کی سرانجامی میں بہتر و مفید محسوس کر رہے ہیں، اس لئے وہ اپنے اداروں، کارپوریشنوں، کارخانوں اور کمپنیوں میں ذہنی ارتکاز قوت کی ان مشقوں (جسے مادی نوعیت کا مراقبہ کہتے ہیں) کو بڑے پیمانہ پر اختیار کر رہے ہیں۔ جس سے اداروں و کارخانوں میں کام کرنے والے افراد کی قوت کا کرکردگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ذہن کے ایک ہی مرکزی نکتہ پر ارتکاز کی وجہ سے فکری انتشار اور ذہنی دباؤ میں کمی واقع ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں جو رپورٹیں آ رہی ہیں، وہ ان کے نقطہ نگاہ سے بہت زیادہ حیرت انگیز ہیں۔

اسی طرح ان کے بعض ماہرین، لطیفہ نفس کی صلاحیتوں کو بیدار کر کے، مجاہدوں کے ذریعہ سفلی ارواح سے رابطہ رکھنے اور ان سے معلومات حاصل کرنے اور ان سے کام لینے اور انکشافات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس مہارت سے وہ کام کر لے رہے ہیں۔ اس طرح کی تحقیقات کرنے والے افراد کی معاشرہ اور حکومت سرپرستی کرتی ہے اور ہر طرح کے وسائل فراہم کرتی ہے۔ ہمارے ہاں اس سلسلہ میں جو جمود موجود ہے، وہ ہمارے زوال میں غیر معمولی اضافہ کا موجب بن رہا ہے۔ ہمارے مؤثر طبقات مغرب کی مادی تہذیب کی ساری لعنت خیز چیزیں تیزی سے اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن انہیں اس سلسلہ

میں مغرب کی نقلی کی توفیق حاصل نہیں ہو رہی ہے اپنے مادی فوائد کے علاوہ ساری فکریں غائب ہو گئی ہیں۔ ذہنوں پر لگے ہوئے ان تالوں کو کھولنے کی ضرورت ہے۔

مالداروں کے سایہ میں ہونے والے دینی کاموں سے برکت کا رخصت ہو جانا

ایک بات، جس کا اس دور میں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دین کے جس کام میں مالداروں کا سایہ رہا، وہ کام بظاہر تو پھلتا پھولتا ہوا نظر آیا، لیکن عملاً اس کام سے روح متاثر ہوئی، اور ان جماعتوں واداروں سے دین کا بے لوث کام کرنے والے اہل علم و داعی وکارکن نکل کر سامنے نہ آسکے، چونکہ مالداروں کے مال میں ان کی نیت کے اثرات کا فرمایا ہوتے ہیں، ان کی مال دینے کی نیت خالص نہیں ہوتی، اس میں مفادات کی آمیزش ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ خیرات کے طور پر دی ہوئی اس رقم سے مال وکار و بار میں برکت ہو کر مزید مال ہو سکے۔ ذکر کے نور کے فقدان کی وجہ سے مالداروں کے مال کی بے برکتی کے اثرات واضح طور پر مشاہدہ ہیں کہ بعض دینی مدارس کی عمارتیں تو یونیورسٹیوں کی طرح ہیں، لیکن ان سے نکلنے والے طلباء خود مادیت کی طوفانی لہروں کی نذر ہیں، اسی طرح خانقاہوں میں مال آجائے کی وجہ سے خانقاہوں کا وہ نورانی ماحول بُری طرح متاثر ہوا، جس سے خانقاہوں سے فقر و زہد کے صاحب تیار ہو کر، افراد معاشرہ کو اپنے کردار کی تاثیر سے بدلنے میں کامیاب ہوتے تھے۔

سلف صالحین میں کثرت ذکر کے خواص زہد فقر و دنیا و اہل دنیا سے بے نیازی کا خصوصی اهتمام موجود ہوتا تھا، اس کی وجہ سے بادشاہ و امراء تک ان کی روحانیت سے فیضیاب ہونے کے لئے آمادہ رہتے تھے، اب امراء، خانقاہوں کے صاحبوں کو مال کے ذریعہ ان کی معاشرت کو، شان و شوکت کی صورت دینے

اور ان کی ظاہری مادی زندگی کو اپنے رنگ میں رنگنے میں کامیاب ہیں۔ اصلاح معاشرہ کے حوالے سے خانقاہوں کے کردار میں کمی کا ایک بنیادی سبب خانقاہوں پر امراء کا سایہ فگن ہونا بھی ہے۔

مبتدی طالب کے لئے مشکلات

اور حوصلہ سے کام لینے کی ضرورت

ذکر کی راہ ایسی ہے، جس میں نفس کی بے پناہ قوتیں حائل ہیں، لاشعور میں موجود خیالات کی طوفانی لہریں بھی اس راہ میں قدم قدم پر رکاوٹ بنتی ہیں۔ مادی دنیا کے اثرات بد اور نفس پرست و مادہ پرست افراد کی طاقتمنی شعائیں بھی اس راہ کو دشوارتر بنادیتی ہیں۔ ان حالات میں مبتدی طالب، کافی عرصہ تک حالات کے دباو میں رہتا ہے اور اس کی کیفیات زیرو زبر رہتی ہیں، وہ ذکر کے لئے آمادگی اور اس میں آسانی پیدا ہونے کے لئے ترستا رہتا ہے، یہ چیز سے قیل و قال اور یاس کی طرف لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اسے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ کسی بھی شعبہ کے علم و فن یا کاروبار میں ترقی کے لئے برسوں تک جدو جہد کرنی پڑتی ہے اور صبر آزم حالت سے گذرنا پڑتا ہے، اسی طرح اللہ کی سنت یہی ہے کہ دل سے ذکر رواں ہونے کے لئے مستقل مزاہی سے اس راہ میں چلنا پڑتا ہے، دوسری صورت میں طالب کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

ذکر کے لئے قربانی سے راہوں کا کھلنا

ذکر وقت کی قربانی، معاشری خوشحالی سے ایک حد تک دستہ داری کا متقاضی ہے۔ اگر طالب، یہ قربانی دینے کے لئے آمادہ ہو تو اس کے لئے ذکر کی راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ اگر طالب ذکر کو جزوی اہمیت دے کر، اس کے لئے وقت کی قربانی کا مظاہرہ نہ کرے گا تو وہ ذکر کی راہ پر ان شاء اللہ گامزن تو ضرور

ہوگا، لیکن نفس کو قابل ذکر حد تک مطیع کرنے میں اسے زندگی کا طویل عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔

صاحب ذکر کو حاصل ہونے والی نعمتیں

صاحب ذکر کو اس دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائی جاتی ہیں، وہ بے پناہ ہیں۔ استغنا کی نعمت ہے۔ رضا بالقضا کی نعمت ہے، تکلیر کی نعمت ہے، درد دل کی نعمت ہے، دین کی مظلومیت کے احساس اور اس سلسلہ میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی نعمت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ذکر سے محروم

دانشوروں کی دانش پر عقل کا ماتم کرنا

ایسے دانشور، جن کے پاس معاشی خوشحالی، دنیا بھر کی معلومات کے حصول اور تقریبات میں شرکت کے لئے وافر وقت موجود ہے، لیکن محبوب حقیقی کے لئے دل کی گہرائیوں سے پندرہ بیس منٹ بھی وقت نکالنا ان کے لئے دشوار ہے، ایسے دانشوروں کی دانش، ان کی عقل پر ماتم کر رہی ہوتی ہے، اس لئے کہ سب سے بڑی محسن ذات کے لئے خلوت میں رابطہ اور ان کی معیت کے لئے طلب کا نہ ہونا، یہ دانش کی توہین ہے۔

انسانی شخصیت کی تغیریں میں

اسم ذات کے ذکر کا کردار

انسانی شخصیت کی صحیح اور فطری خطوط پر تغیر میں اسم ذات کا کثرت ذکر فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ذکر فرد کے اندر موجود سارے جذبات کی تشفیٰ و تسلیم کا موجب بنتا ہے۔ اس ذکر کی فیصلہ کن اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسانیت کے سرتاج حضور ﷺ بر سوں تو غار حرا میں یہی ذکر فرماتے

رہے اور آپ پر اس ذکر نے خلوت نشینی کا ایسا رنگ غالب کر دیا تھا کہ ایک ایک ہفتہ کی غذا کھجور اور پانی ساتھ لے جاتے تھے اور اسیم ذات کے ذکر کے ذریعہ محبوب حقیقی سے قرب کی منازل طے فرماتے تھے۔ قلبی ذکر کی اس محیت کے دوراں ہی آپ پر وحی کا نزول ہوا۔

اسم ذات کے ذکر کی کچھ خصوصیات

اللہ کے اسم ذات کی خصوصیات اتنی زیادہ ہیں کہ اسے پیان کرنا انسانی استعداد و صلاحیت سے باہر ہے۔ کائنات کی خالق ہستی، کائنات کے سارے حسن کی منع ہستی کا اسم ذات اپنے اندر جو تجلیات رکھتا ہے، وہ فرد و افراد کو تجلیات سے سرشار کر دیتا ہے، جس سے ایک نئی انسانی شخصیت وجود میں آتی ہے، جو انسانوں کے لئے سرپا شفیق ہوتی ہے۔ وہ انسانوں کے درد کو اپنا درد سمجھتی ہے۔ اس ذکر سے محرومی، فرد کے باطن کو تاریک کر دیتی ہے اور اسے قساوت قلبی کا شکار کر دیتی ہے، کسی درویش نے یہ جو بات کہی ہے، وہ صحیح کہی ہے کہ قرآن شریف اللہ کے اسم ذات کی تفصیل ہے، جب کہ اللہ اس قرآن کا اجمال ہے۔ قرآن کی روح، اللہ کا اسم ذات ہی ہے۔ اس اسم ذات کے ذکر کے تکرار سے قرآن میں موجود نور تک رسائی ہونے لگتی ہے، اس کی واضح علامت یہ ہے کہ اس کے تکرار کی حامل شخصیت محبوب حقیقی کے لئے دل و جان سے فدا ہونے لگتی ہے، اور قرآن میں موجود احکام پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں وہ شخصیت سب سے آگے ہوتی ہے۔ اس کے لئے اسلامی شریعت حلاوت بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ سے عشق کی حد تک محبت اس کا وظیفہ بن جاتا ہے۔ اسیم ذات کا ذکر فرد کو مادی دنیا سے بلند کرنے میں بھی بے مثال کردار ادا کرتا ہے۔ ایسا شخص بظاہر چاہے مادی و مالی اعتبار سے تھی دست ہی کیوں نہ ہو،

ظاہری علم و دانش کے اعتبار سے فروتہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ صبر و شکر، خود داری و خود اعتمادی، باطنی خوشی و لذت اور معرفت کے بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ جہاں اسے مادیت کی غلطتوں میں بنتا انسانیت کی حالت زار، خون کے آنسو بہانے پر مجبور کرتی ہے اور انسانیت کو حیوانیت کی سطح پر دیکھ کر وہ درد سے بے قرار اور بے چین ہوجاتا ہے۔ اسے یغم کھارہا ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے ذکر سے محروم ہو کر، انسانیت اس دنیا میں بھی دکھوں و غموں کے قیامت خیز مناظر سے دوچار ہے تو آخرت میں بھی وہ اسی دردناک عذاب سے دوچار ہوگی، انسانیت کا یہ الیہ ایسا ہے، جو اس کے دل کو مغموم کر دیتا ہے۔

ہماری ملت کا الیہ

اللہ کی محبت کی بنیاد پر تعلیم و تربیت کے اداروں کی تشکیل تو دور کی بات ہے، بدسمتی سے ہمارے ہاں ایسے علمی و فکری ادارے بھی نہ ہونے کے برابر ہیں، جو مادیت پرستی کی تہذیب اور اس کی فکری علمی بنیادوں کو متزال کرنے، نوجوان نسل میں اس کی مرعوبیت کو ختم کرنے، اسلام پر ان کے اعتقاد کو بحال کرنے اور اللہ کے ذکر اور اس کی محبت کو انسانی فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ ثابت کرنے کا لٹرپچر تیار کر کے بڑے پیکاٹ پر پھیلانیں اور ملک کے ذہین افراد کو اس طاقتور فکر سے آشنا کریں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ایک طاقتور فکری انشاٹ تیار کیا ہے، لیکن بدسمتی سے ان کی فکر کو پھیلانے کے سلسلہ میں ملک بھر میں دوچار افراد بھی تیار نہیں، حالانکہ ہمارے ہاں لاکھوں دیندار ایسے ہیں کہ اگر وہ اس کام میں حصہ لیں تو ان کی دولت میں ایک فیصد بھی کمی واقع نہ ہو۔ جس ملت کے خوشنام افراد کی یہ حالت ہو، اس ملت کے پہنچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

دنیا کی قومیں اپنی نظریاتی اساس کو سرمایہ حیات سمجھکر، اسے پھیلانے کے

لئے بہت مستعد ہیں اور اس مقصد کے لئے وسائل کا قابل ذکر حصہ صرف کر رہی ہیں۔ اس دوڑ میں ہماری بے حسی قابل رحم ہے۔

حقیقی صوفی کے دل کے آئینہ پر افراد معاشرہ کی نفیسیات کا عکس ظاہر ہونا

حقیقی صوفی و حقیقی فقیر کو اپنی نفسی دنیا کے جو تجربات و مشاہدات ہوتے ہیں، اس کی بنا پر اس کے دل کے آئینہ پر افراد معاشرہ کی نفیسیات کے عکس صاف طور پر نظر آنے لگتے ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاں آنے والا فرد اگر اسے بیچ بازار میں رسوا کرے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، یہ اس کا احسان ہے کہ وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔

زندگی پر توپاکیزہ صحبت کے اثرات و ثمرات

دنیا میں فرد کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسے حقیقی درویش مل جائے اور وہ زندگی بھرا س کے فیوض سے ممتنع ہو جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ صحبت کے اس عمل سے ایک توپاکیزہ شعاؤں کی منتقلی کے ذریعہ نئی ایمانی زندگی پیدا ہوتی اور ترقی کرتی جائے گی۔

دوم یہ کہ ذکر و فکر کا شوق فروزان تر ہوتا جائے گا۔ سوم یہ کہ کیفیات باطنی تروتازہ ہوں گی، جس سے فرد، اللہ کی محبت کی دنیا میں تیز رفتاری سے چلتا رہے گا، چارم یہ کہ طالب قبض، بے چینی اور مادی دنیا کے اثرات سے بلند ہوتا جائے گا۔ پنجم یہ کہ کیفیات باطنی تروتازہ ہوں گی، جس سے فرد، اللہ کی محبت کی دنیا میں تیز رفتاری سے چلتا رہے گا ششم یہ کہ زندگی کا ہر پہلو بدلتا جائے گا۔ هفتم یہ کہ افراد کے ساتھ اس کے رویے میں بہتری اور خوش گواری آتی جائے گی، نهم یہ کہ اس پر یہ فکر غالب ہوتی جائے گی کہ دنیا کے لئے اتنا کرنا چاہئے، جتنا دنیا میں رہنا ہے، آخرت کے لئے اتنی تیاری کرنی چاہئے، جتنا آخرت میں

رہنا ہے۔ یہ فکر اسے دنیاوی مصروفیات کو ضروری روزگار کی حد تک محدود کرنے پر مجبور کرے گی، وہم یہ کہ دین کی مظلومیت اور اس کی خدمت کے سلسلہ میں اس کی حس بیدار ہوتی جائے گی اور اپنی صلاحیتوں کی حد تک وہ اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

ہر نوجوان مرد و عورت کا بے قابو ہونا

نفس اور مادیت کی روح بھڑکانے والی طاقتور میڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ نے آج ایسی صورتحال پیدا کر دی ہے کہ عام طور پر ہر نوجوان مرد و عورت کا نفسیاتی مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ بے قابو ہو رہے ہیں اور وہ اپنی شخصیت اور مزاج پر قابو پانے میں رُبی طرح ناکام ہیں۔ وہ اگرچہ چاہتے ہیں کہ بے قابو شہوت کے جذبات کو حد اتعال میں رکھیں، لیکن ساری کوششوں کے باوجود وہ ایسا کرنے میں ناکام ہیں، اگرچہ اس کی وجہ سے انہیں بے پناہ نفسیاتی بیماریوں اور صحت کی تباہی کی صورت میں قیمت بھی دینی پڑتی ہے، لیکن طاقتور میڈیا کی طرف سے بھڑکائے گئے جذبات کے سامنے وہ بے بس ہیں۔ اسی طرح مال جمع کرنے کا جنون ایسا ہے، جس میں بے پناہ تو انکیاں صرف ہو رہی ہیں۔

فرد و افراد کو ان جذباتِ حیوانی کی روک تھام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مغرب میں ہونے والے ایک تجزیاتی مطالعہ میں مردوں اور عورتوں کی بڑی اکثریت نے یہ اعتراف کیا تھا کہ ہماری اپنی شخصیت بہت کمزور ہے، جب کہ خواہشات کے طوفان بہت طاقتور ہیں، جو ہماری شخصیت کو بہا کر لے جاتے ہیں، اس طرح ہم خواہشات کے اسیر بن کر رہ جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب نے انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ صورت قرار دے کر، اس کے حیوانی جذبات کو مشتعل کرنے اور ان کی تیگیل کی خاطر جس

مادی تہذیب کی روح پھونگی ہے اور انسانیت پر سرمایہ داری کی لعنت مسلط کی ہے، یہ انسانیت کی اصلیت اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کی فطری وجوہ بری صلاحیتوں کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

انسان کی اصلیت

انسان کی اصلیت یہ ہے کہ اس نے عالم ارواح میں محبوب حقیقی کا مشاہدہ کیا ہے۔ مادی جسم کے ساتھ اس دنیا میں آنے کے بعد وہ اپنی اصلیت کی طرف واپس لوٹنے اور دوبارہ اسی حالت مشاہدہ کے لئے بے چین ہے۔ محبوب حقیقی نے انسان کی اس بے چینی کو دور کرنے کے لئے اس کی فطرت میں اپنے ساتھ والہانہ محبت کا ایک نہ ختم ہونے والا طاقتور داعیہ رکھ دیا ہے۔ نفس جو مادہ کی پیداوار ہے، وہ انسانی شخصیت میں موجود اس طاقتور داعیے کو معطل کر کے، اس کی ساری توانائیوں کو لذت کے مادی سامان کی تسلیکیں میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ انسان کی فطرت میں موجود محبوب سے محبت کا جذبہ اسے محبوب کے انوار حسن سے بہرہ وری کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ وہ یہ کشکش ہے، جو انسانی شخصیت میں جاری رہتی ہے۔

موجودہ دور میں انسانیت کے ساتھ جو سب سے بڑا الیہ ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مذہب و روحانیت اور انسانی فطرت کے جذبات کو علمی و شعوری طور پر مسترد کر کے، اس کے سارے افرادی و اجتماعی نظام کو انسان کے حیوانی الاصل ہونے اور اس کے ان جذبات و خواہشات کی تیگیل کے مقصد کے لئے استوار کیا گیا ہے۔

اس کی جو سزا انسانیت کو بھگنا پڑ رہی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ خواہشات کا اسیر بن گیا ہے اور شدید افراطی مایوسی، بے گاگی، خود اعتمادی کے بھرمان اور احساس تہائی کا شکار ہو گیا ہے۔

مسلم دنیا کا الیہ

انسانیت کو موجود قابل رحم حالت سے نکالنے کے لئے اسلام کے پاس ایک پاکیزہ نظام موجود ہے، جس سے اس بھرائی سے نکلنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، لیکن بدلتی سے مسلم امت کے مالدار اور خوشحال طبقات خدا سے دوری اور اس کے ذکر سے غفلت کی وجہ سے تعلیم و تربیت کے ایسے جدید اداروں کی تشکیل کے کام کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں، جس سے اشیائے کائنات میں کارفرما موجود قدرتی قوانین کی کارفرمانی اور انسانی فطرت کے تجویز و تخلیل کے ذریعہ نوجوان نسل میں محبوب حقیقی سے محبت کے حقیقی جذبات کو نشوونما دے کر اسے ارتقاًی صورت دینے کا اہتمام ہو، ملک کے ماہی ناز فلسفی ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اس سلسلہ میں ایک معیاری یونیورسٹی قائم کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس مقصد کے لئے ابتدائی نوعیت کی نصابی کتابیں بھی تیار کر لی تھیں، ان کی ساری کوششوں کے باوجود افراد معاشرہ کی طرف سے عدم تعاون کی وجہ سے وہ یونیورسٹی تو کیا کالج بھی قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد بعض دوسری شخصیتوں نے بھی یہ کام ہاتھ میں لیا، لیکن بے حصی اور مردگی، ضمیر کی وجہ سے ہمارے خوشحال طبقات اس نوعیت کے کسی کام کی سرپرستی کرنے کے لئے تیار نہیں۔

جب تک جدید نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت میں اللہ سے محبت کے نصب اعین کے داعیہ کو فیصلہ کن اہمیت سے شامل کرنے کا اہتمام نہ ہوگا اور اس طرح کے جدید تعلیمی ادارے قائم نہ ہوں گے، اس وقت تک ہمارا معاشرہ ایسے سیاستدانوں، دانشوروں، تعلیمی مہروں، ڈاکٹروں، تاجروں و صنعتکاروں کی فوج ظفر موج تیار کرتا رہے گا، جو دولت کی خاطر قوم کو دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کرتے رہیں گے اور جو دولت جمع کرنے کے لئے قوم کو مغلوب کرتے رہیں گے، اس طرح انہیں غربت اور محتاجی کی ذلیل زندگی گزارنے پر مجبور کرتے رہیں گے۔

معاشرے میں موجودہ فساد میں

افراد کی نفسیات اور مزاجی خرابی کا ہونا

معاشرہ میں بے چینی، افراتقری اور فساد کے اسباب پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ فساد عبارت ہے افراد کی نفسیات اور مزاج کی خرابی سے۔ افراد معاشرہ کے مزاج میں ایسی ہولناک خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ ہمارا سیاسی نظام اور تعلیمی نظام ان خرابیوں میں کمی لانے کے بجائے اضافہ کا ذریعہ بن گیا ہے۔ مزاج کی وہ بنیادی خرابی یہ ہے کہ ہر فرد عزت، شہرت، دولت، اور شان مان کی زندگی چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے جو کچھ ملتا ہے، وہ اس زندگی میں ہی مل جائے۔ ظاہر ہے اس طرح کی دولت اور شان ومان کی زندگی جائز آمدی سے حاصل نہیں ہو سکتی، اس کے لئے لوٹ مار، مہنگائی، رشتہ اور انسانیت کی پامالی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

دولت پرستانہ زندگی کا

ایک زبردست خلا کا نتیجہ ہونا

دولت پرستانہ زندگی کی یہ مزاجی خرابی دراصل انسانی شخصیت کے باطن میں موجود اس زبردست خلا کا نتیجہ ہے کہ لا زوال حسن کی چاہت اور اس حسن کا مشاہدہ اس کی فطرتی ضرورت ہے۔ فطرت کے اس جذبہ کی تسلیم و تشقی نہ ہونے کی وجہ سے انسانی شخصیت میں جتنا بھی بگاڑ اور فساد شامل ہو جائے کم ہے۔ محبوب حقیقی کا اسم ذات اللہ کا ذکر فرد کے مزاج اور نفسیات میں موجود اس بگاڑ کو ختم کر کے، اس کو دنیا پرستانہ زندگی کے اس جنوں اور خلا کو اس بہتر طور پر پُر کرتا ہے کہ فرد کے لئے یہ زندگی جنت کا منظر بن جاتی ہے۔ اللہ کی ذات چونکہ ساری صفات کی منع ہستی ہے، اس لئے اس کے ذکر کی تکرار سے فرد و افراد کے باطن

میں ان صفات کے عکس اس طرح ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے کہ تشقی، تسلیم اور احساس لذت کے لئے افراد کو مصنوعی سہارے لینے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

اس نکتہ کو سمجھکر، ان صفات کی حامل شخصیات کی تیاری کا کام اگر شروع ہو جائے، تعلیم و تربیت کے ادارے اس کام کو فیصلہ کن اہمیت دیں تو معاشرہ میں موجود سارا فساد ختم ہو سکتا ہے۔

مغربی قوموں تک توحید اور ذکر کی

دعوت نہ پہنچانے کے نتیجے میں مسلمانوں کو ملنے والی سزا

مغربی قوموں نے پچھلی دو تین صدیوں میں مسلمانوں پر فوج کشی اور سازشوں کے ذریعہ انہیں جس طرح ذہنی اور عملی طور پر غلام بنایا ہے اور ان کے وسائل کی لوٹ مار شروع کی ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ دراصل مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے دوسری قوموں کے حوالے سے اپنی منصبی ذمہ داریاں ادا نہ کرنے کی سزا ہے۔ وہ منصبی ذمہ داری یہی ہے کہ ان پر اسلام کی دعوت پہنچا کر، انہیں اللہ کی عبادت، اس کے ذکر اور اس کی اطاعت کی طرف لایا جائے، کم از کم ان کے سامنے اس کی بہتر طور پر دعوت تو پیش کی جائے، تاکہ ان کے لئے داعیٰ عذاب سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے۔ اس ذمہ داری کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ہی مسلمانوں کو اس کی سزا دی جائی ہے۔ اس عذاب سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ ذکر اور دعوت والی زندگی اختیار کر کے، غیروں پر خدا پرستانہ زندگی اور اسلام کے حوالے سے پوری طرح انتہام جلت کیا جائے۔

تعلیم و تربیت کے سارے اداروں سے انسانی نفس کی قوت کو سمجھنے سے انکار کی روشن

موجود دور کا بڑا الیہ جو بہت سارے المیوں کا پیشہ خیہ ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی نفس کی قوت کو سمجھنے، اسے بہیمانہ صورت اختیار کرنے سے بچانے اور اسے مہذب بنانے کے عمل سے غیر معمولی غفلت کا مظاہرہ ہوا ہے۔ تعلیم و تربیت کے تقریباً سارے اداروں سے نفسی قتوں کے فہم و ادراک اور اسے حد اعدال میں رکھنے کے سب سے اہم کام کو نکا دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ انسان، حیوانیت کی بدتریں صورت اختیار کر گیا ہے اور انسانی معاشرہ حیوانی معاشرہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

انسانی نفس میں موجود شیطان اور سانپ کی رہائش ایک مثالی تئیں

ایک درویش نے انسانی نفس کی جسمانی صورت گری کو غار سے مشابہت دی ہے، اس غار میں نفس، شیطان اور بہت سارے سانپ چھپے ہوئے ہیں، رسمی عبادت اور رسمی اوراد وغیرہ کی حیثیت سانپ کے غار پر ڈنڈے اور لاٹھیاں برسانے کے مترادف ہے۔ جس سے غار کے اندر موجود نفس اور شیطان کو نہ صرف یہ کہ کوئی اذیت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ انہیں اس کا ادراک تک نہیں ہوتا۔

مگر اسم ذات کے مراقبہ قبلی ذکر سے ان میں ہلچل بربا ہونے لگتی ہے اور یہ ذکر نفس کے سانپوں پر ایلتے ہوئے پانی کی دھار کی طرح ہوتا ہے، جس کی شدید تپش محسوس کر کے وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ درویش مزید کہتے ہیں کہ اگر اسم ذات کے ذکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے کے لئے جان ومال کی بازی لگانے کی ضرورت درپیش ہو اور برسوں تک شب و روز مجاہدوں سے کام لینا پڑے تو گویا یہ نہایت سستا سودا ہے۔

نفس کے بارے میں مولانا روی کا تجزیہ

مولانا روی فرماتے ہیں کہ نفس کی ہر سانس سے مکر و فریب کی بہت سی واردات وابستہ ہیں، اس کی ہر سانس سے سو شیطان پیدا ہو سکتے ہیں۔ مولانا دوسرے شعر میں نفس کو فرعون نفس قرار دیتے ہیں، جس میں سو فرعونوں کی طاقت موجود ہے۔

نفس کے بارے میں حضرت مجدد کی تصریح

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں، مبتدی اور متوسط طالب کا نفس، شرارت میں شیطان سے زیادہ شریر ہے۔ جب تک طالب، فنا سے حالت بتا میں نہیں آتا، تب تک وہ حالت خطرہ میں ہے اور نفس پرستی کی قوتون کی زد میں ہے۔

نفسی قوت کے بارے میں جدید نفیات کی تحقیق

جدید نفیات کی کتاب ”فلسفہ نفیات“ جو ۱۹۱۵ء میں عبدالماجد دریابادی نے نفیات کی سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی تھی، اس میں لکھا ہے کہ چار طبقات کی اصلاح غیر معمولی طور پر مشکل ہے، ان میں اہل علم و اہل داش، حکمران آفسر، سرمایہدار و مالدار اور عابد وزاہد شامل ہیں، اس لئے کہ یہ طبقات علم، داش، خیر، نیک، مان و مرتبہ اور افضلیت کو اپنی ذات میں شمار کرتے ہیں اور دعویٰ کی نفیات کے حامل بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اصلاح کی باتیں اکثر ان پر کارگر کم ہی ہوتی ہیں۔

کارنیلیگی کا تجزیہ

برطانیہ کے ممتاز ماہر نفیات کارنیلیگی نے لکھا ہے کہ انسان شدید پیچیدہ نفیات کا حامل ہے، وہ مال سے محبت میں اتنا شدید ہے کہ اگر ایک موچی کو

آدمی دنیا کا خزانہ دے دیا جائے تو وہ اس پر خوش اور مطمئن ہو کر قانع ہونے کی بجائے اپنی باقی ساری زندگی آدھے خزانہ کے حصول کی جدوجہد میں صرف کرے گا۔

یونگ کا مشاہدہ

ایک دوسرے ممتاز ماہر نفیات یونگ نے لکھا ہے کہ انسان کے لاشور میں منفی جذبات کی ایک وسیع دنیا پوشیدہ ہے۔ یہ جذبات وقتاً فوقتاً اندر سے اس خوفناک طریقہ سے نکلتے ہیں اور انسانیت کی تباہی کا موجب بنتے ہیں کہ طوفانوں اور سیلابوں کی تباہ خیزیاں اس کے مقابلہ میں بیچ ثابت ہوتی ہیں۔

آدم اسمتحہ کا انکشاف

آدم اسمتحہ جو موجودہ سرمایہ داری کا بانی مفکر ہے، وہ لکھتا ہے کہ سرمایہداروں کی نفیات یہ ہے کہ ان کی ذاتی نوعیت کی نشستیت (شادی یا ہ کی تقریبات وغیرہ) بھی غریبوں کے خلاف سازشی تدبیروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

نفس کی ان قوتوں سے بچاؤ کی صورت

نفس کی ان قوتوں سے بچاؤ کی واحد صورت یہی ہے کہ ذکر و فکر کے ذریعہ روحانی اور باطنی قوتوں کو بیدار کر کے، رحمانی قوتوں کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے۔ اسم ذات کے کثرت ذکر سے جب اللہ کی تجلیات اور تیزتر شعائیں نفسی قوتوں پر پڑتی رہیں گی تو نفس کے فاسد اثرات کا عدم ہوتے جائیں گے اور یہ نفس، نفس مطمئنہ کی صورت اختیار کرے گا۔ اس کے بعد رسی عبادات میں بھی حقیقی روح پیدا ہوتی جائے گی، اس ذکر کی بدولت نفسی خواہشات کی خاطر انسان آزاری کی روشن بند ہو جائے گی۔

انسانی تاریخ کا

نفس پرستی اور رحمانی قوتوں کے لکھراو سے عبارت ہونا

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ انسان کی ساری تاریخ، نفس پرستی اور رحمانی قوتوں کے درمیاں لکھراے سے عبارت ہے۔ چونکہ ہر دور میں افراد کے لئے خواہشات کی طوفان خیزیوں سے بچاؤ مشکل رہا ہے، اس لئے نفس پرست افراد کی طرف سے نفس کو معبدوں بنا کر یا نئے نئے مادی خدا بنا کر شروع سے انبیاء کرام سے تصاصم کی راہ اختیار کی جاتی رہی ہے۔ انبیاء کرام کی دعوت ذکر و عبادت کے ذریعہ عقیدہ توحید کو مستحکم کر کے ہر قسم کے باطل کی نفی رہا ہے۔ انبیاء کرام کی یہی دعوت مالداروں اور نفس پرست انسانوں کے لئے سب سے بڑا چیلنج رہی ہے۔

یہ ایک الٹا حقیقت ہے کہ انبیاء کرام کی بہت بڑی تعداد اپنی ساری توانا یوں کے استعمال کے بعد بہت کم افراد کو نفس پرستی کی قوتوں سے بچانے اور رحمانی قوتوں کے سایہ میں داخل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بہت سے انبیاء کرام آئیں گے، جن کے ساتھ بمشکل گئتی کے چند افراد ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے علماء، بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔ چنانچہ علمائے ربانی کو بھی یہی شکایت ہے کہ زندگی بھر کی کوششوں کے باوجود اللہ کی محبت اور ان کے ذکر میں مستقل مزاجی سے چلنے اور زندگی پر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) کو غالب کر کے، نفسی قوتوں کو شکست دینے والے طالب برائے نام ہوتے ہیں۔ ان سے وابستہ افراد کی اکثریت برائے نام ذکر پر قاتعت کرنے والوں کی ہوتی ہے، ظاہر ہے اس سے نفس کی ہولناک قوت کو شکست نہیں دی جاسکتی۔

ذکر کے نور کا شریعت پر

عمل پیرا ہونے کی صورت میں ظاہر ہونا

ذکر میں چلنے کا ایک بڑا پیمانہ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد کا پیدا ہونا، اسلامی حیثیت کا ہونا اور خلاف سنت عادتوں کی بذریعہ تبدیلی ہے، اگر طالب، ذکر کرنے کے باوجود داڑھی جیسی سنت کا اہتمام نہیں کرتا۔ جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام نہیں کرتا، مخلوط مجلسوں اور تقریبوں میں شرکت سے بچنے کی کاوش نہیں کرتا، ٹی وی اور انٹرنیٹ پر عورتوں کو دیکھنے سے احتراز نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر نے ابھی دل کی گہرائیوں میں جگہ پیدا نہیں کی اور ذکر کے نتیجہ میں فرد کے باطن میں ہلکا پیدا نہیں ہوئی۔ جب ذکر کے نتیجہ میں اللہ سے محبت مستحکم ہونا شروع ہو جاتی ہے تو خلاف شرع ساری پرانی عادتوں سے بیزاری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ طالب، جب تک اس مقام تک نہیں پہنچتا، تب تک یہی سمجھا جائے گا کہ اگرچہ ذکر جاری ہے، لیکن زندگی میں اس کے اثرات پوری طرح ظاہر ہونا شروع نہیں ہوئے۔

فاسد زدہ معاشرہ میں ایک
سنت کے احیاء کا ثواب

طالب کو یہ لکھتا یاد رکھنا چاہئے کہ فاسد زدہ دور میں ایک سنت کا احیا سو شہیدوں کے برابر ہے۔ سنت کے مطابق داڑھی رکھنے سے فرد کو معاشرہ بھلی میعوب سمجھنے لگے، لیکن اللہ کے رسول سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اس اہم سنت کا ہر صورت میں احیاء کریں گے۔

اہل ذکر معاشرہ سے مرعوب ہرگز نہیں ہوتے، بلکہ معاشرہ خود ان سے مرعوب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں کثرت ذکر کے ذریعہ اللہ کے انوار حسن کا ذخیرہ لئے ہوتے ہیں۔ جب تک کثرت ذکر کے ذریعہ دل سے

معاشرہ کی مروعیت ختم نہ ہو، تب تک سنتوں پر عمل پیرا ہونے میں تدریج کا عمل صحیح ہے۔ یک وقت چھلانگ لگانا نقصان کا موجب ہو سکتا ہے۔ لیکن تدریج کا مطلب سنتوں پر عمل پیرا ہونے سے بے پرواہی نہیں ہونی چاہئے۔

اسلام کی نظر میں دل کا فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہونا

اس دور میں فکر و نظر، مزاج و ذہنیت میں جو تبدیلی آئی ہے، جس کی وجہ سے جدید طبقات کو دینی اعتبار سے سنبھالنے اور انہیں اللہ کے ذکر اور اس کی محبت کی طرف لانے میں غیر معمولی دشواری پیش ہو رہی ہے، اس کا ایک بڑا سبب انسانی شخصیت میں تبدیلی کے سلسلہ میں دل کی فیصلہ کن اہمیت کا انکار ہے۔ مغرب نے تین سو سال تک دل کی فیصلہ کن اہمیت کا انکار کر کے، اپنی تہذیب اور اپنے سارے علوم کی بنیاد عقل و عقليت پر رکھی، ان کی نظر میں دل کی حیثیت سارے جسم کو خون پہنچانے سے زیادہ نہیں۔ یہی فکر پہلے دیڑھ سو سال سے اسلامی دنیا میں بھی عام ہوئی ہے، ہر وہ بات جو عقل اور حواس خمسے سے باہر ہو، اس کے انکار کی روشن غالب ہے۔ حالانکہ اسلام کی ساری عمارت دل اور اس کی صلاحیتوں اور اس کی خواہیدہ قوتوں سے وابستہ ہے۔ اسلام، حقیقی فہم اور حقیقی علم کا مرکز دل ہی کو قرار دیتا ہے، اسلام کی نظر میں تقویٰ کا مقام بھی دل ہی ہے۔ اسلام، قرآن کے نزول کا مرکز بھی حضور ﷺ کے دل کو قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایمان اور اس کی گہرا یسوں کی جگہ بھی دل ہی ہے۔ اسلام کی نظر میں قرآن سے نیض رسانی کی صلاحیت کا تعلق بھی دل ہی سے ہے۔ اسلام، دینی اعتبار سے زندگی کی ساری صحت و سلامتی کو دل سے وابستہ قرار دیتا ہے، اسلام کی نظر میں دل کی خرابی و بکی سے ساری زندگی فساد سے دوچار ہونے لگتی ہے، اسلام، دل کی اس فیصلہ کن اہمیت کا اظہار بھی کرتا ہے کہ اللہ اور فرد کے درمیاں حائل

ہونے والی چیز دل ہی ہے، اسلام، ایمان کی محبت کا مرکز بھی دل ہی کو قرار دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں خوشی و سکیت کا مقام بھی دل ہی ہے، اسلام یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ کسی بھی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں ہیں۔ دل ایک ہی ہے۔ جو بیک وقت دو محبتوں کا مرکز نہیں ہو سکتا۔ اس میں ایک ہی محبت سماں سکتی ہے یا اللہ کی یا دنیا کی، اسلام یہ نکتہ بھی بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگ جانے کی وجہ سے حقیقی علم کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ اسلام، کفر، فتنہ اور گناہوں کی بیماری کا مرکز بھی دل کو قرار دیتا ہے۔ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ آنکھیں انڈھی نہیں ہوتی بلکہ سینہ میں جو دل ہیں وہ انڈھی ہوتی ہیں۔

یہاں اس سلسلہ کی قرآنی آیتیں پیش کرنا دشوار ہے، اس سلسلہ کی قرآن کی بیشتر آیتیں ہماری مختلف کتابوں خاص طور پر ”اقبال کا فلسفہ عشق و اسرارِ موز“ اور اصلاح نفس کا لائچہ عمل میں موجود ہیں۔

دل کو عقل کے ضمیمہ کی حیثیت دینے کی غلط روشن

مغربی نظام تعلیم اور اس کی تہذیب کے ہمہ گیر غلبہ کی بنا پر ہمارے دانشور، جدید اہل علم اور مفکرین کی بہت بڑی تعداد دل کی صلاحیتوں کے انکار کے سلسلہ میں مغرب کی اس تحقیق سے متاثر ہو کر، نہ صرف وہ دل کی صلاحیتوں کی بیداری کے کام کی منکر ہوئی، بلکہ وہ عقل ہی کو فہم، جذبات اور سارے کارناموں کا مرکز سمجھتے رہے۔ موجودہ دور میں قرآن کی تشریع میں بھی بعض مفکروں اور شارحوں کی طرف سے دل کی بجائے عقل و عقليت کی صلاحیتوں پر سارا زور صرف کیا گیا، اور دل کی صلاحیتوں کو عقل کے ضمیمہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

مغربی فکر کے اس غیر معمولی غلبہ کی وجہ سے قرآن و سنت کے فہم کا جو تسلسل صدیوں سے سلف صالحین کے ذریعہ منتقل ہو رہا ہے، وہ غیر معمولی طور پر

متاثر رہا، اور دل کی اصلاح کے ذریعہ اللہ سے محبت پیدا کرنے، دل کی اصلاح کے ذریعہ، ایمان میں ارتقائی صورت پیدا کرنے، دل کی صلاحیتوں کو ابھار کر، سیرت و کردار میں پاکیزگی پیدا کرنے، دل کو ذکر کے انوار سے بہرہ ور کر کے، محبوب حقیقی کے دشمنوں سے معمر کہ آرائی کرنے، دل کے ذریعہ نفس کے بتوں سے صفائی آ رہے، دل کے ذریعہ اخلاص، للهیت، تقویٰ، بے نفسی، دنیا سے بے نیازی اور زہد جیسے اوصاف پیدا کرنے، بدلتی سے یہ سارے کام بُری طرح متاثر رہے اور جدید طبقوں میں یہ ذہن پیدا کرنے کے کوشش ہوئی کہ دل اور دل کی صلاحیتیں اور اس کی بیداری جیسی اصطلاحیں یہ صوفیاء کرام کے مفروضے ہیں۔ انہوں نے امت کی توانائیوں کو معمل کرنے کے لئے دل کو رگڑتے رہنے کے کام کو وظیفہ و مشغله بنالیا ہے۔

دل کے بارے میں جدید سائنسی تحقیق

اللہ بھلا، کرے، امریکہ کے بعض جدید ماہرین کا، جنہوں نے اپنی تحقیق کے ذریعہ یہ بات ثابت کی ہے کہ ہم صدیوں سے عقل کو علم، تحقیق اور معلومات کا جو مرکز سمجھے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں ہم نے جو ادارے بنائے اور لاکھوں کتابیں تخلیق کیں، وہ سب غلط ہیں۔ انسانی شخصیت میں اصل فیصلہ کن حیثیت عقل کی نہیں، دل کی ہے۔ دل میں عقل جیسے توانائی ہزاروں مرکز ہیں، دل کی صلاحیتوں کو بیدار کر کے عقل کے ہزارہا توانائی کے مراکز تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس طرح انسانیت کو بے پناہ نئے علوم سے بہرہ ور کیا جا سکتا ہے اور انسانی شخصیت کی اصلیت اور اس کی گہرائیوں اور اس کے جذبات کے مرکز پر آسانی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ کی معلومات ”بیداری“ اردو کے ایک مضمون میں تفصیل سے شائع ہو چکی ہے اور انٹرنیٹ پر بہت سارا تیقینی مواد موجود ہے۔

الحاصل یہ کہ مغرب، جو دل کی غیر معمولی صلاحیتوں سے ابھی آشنا ہوا ہے۔

وہ بھی انہیں ابھی ابتدائی نوعیت کی معلومات حاصل ہوئی ہے۔ جب کہ قرآن و سنت، انسانی زندگی میں حقیقی تبدیلی اور علم و معرفت و محبت وغیرہ کے سلسلہ میں دل کی غیر معمولی اور فیصلہ کن اہمیت سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے سلف صالحین، دل کی ان صلاحیتوں سے کام لے کر صدیوں تک افراد معاشرہ کو اسلام پر قائم رکھنے اور نفس پرستی کے بتوں سے بچا کر، خالص خدا پرستی کی راہ پر گامزن رکھنے میں بہتر طور پر کامیاب رہے ہیں۔

مغرب کی نقاوی میں ہم نے قیمتی وقت بر باد کیا اور اپنی نئی نسلوں کو عقلیت کی تحریک کے زیر اثر مادیت اور دنیا داری کی راہ پر گامزن کر کے، ان کی زندگیاں بر باد کیں، اب سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ اسم ذات کے قلبی ذکر کے ذریعہ دل کی جملہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے، انسانی جو ہروں سے بہرہ وری اور حقیقی فہم و بصیرت اور حقیقی علم و معرفت کے ذریعہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔

وہ اسلامی تحریکیں، جنہوں نے دل کی بجائے اپنی فکر کی بنیاد عقل و عقلیت کو بنایا ہے، اللہ سے محبت و معرفت کے جذبات سے صرف نظر کر کے، عقلی دلائل پر ہی اسلامی جدوجہد کی عمارت قائم کی ہے، انہیں بھی ستر اسی سال کے تجربات و مشاہدہ سے استفادہ کر کے، ہمت و حوصلہ اور بصیرت سے کام لے کر اپنے وسیع لٹرپیچر پر صرف نظر کرنا چاہئے۔ اور ایسا طاقتور لٹرپیچر تیار کرنا چاہئے، جس میں عقلیت کے ساتھ دل کی فیصلہ کن اہمیت اور اس کی صلاحیتوں کی بیداری کا پوری طرح اہتمام موجود ہو۔ جب اس سلسلہ میں مغرب اپنی فکر پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار ہے تو اسلامی تحریکیں ہی اس سلسلہ میں آخر جمود کا شکار کیوں ہوں۔ تقیدِ محض سے اوپر اٹھکر وسعت فکر و نظر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

طالب کو ذکر کے ذریعہ سمندر نفس سے لاحق خطرات

اللہ کا طالب عرصہ تک کثرت ذکر کے ذریعہ نفس پرستی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے، اسے اس سمندر میں مگر مچھوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے تو ساحل سمندر کی طوفانی لہروں سے بھی۔ ان سب کا مقابلہ کر کے، وہ اس سمندر سے جواہر و موئی اپنے ساتھ لاتا ہے۔

اگر طالب کی اس سمندر میں غوطہ زنی نامکمل ہے تو وہ حالت خطرہ میں ہے، اسے دوسروں سے زیادہ اپنی فکر کرنی چاہئے، اگر اس دوران اسے کچھ بہتر خواب اور کچھ پیشگی با تین معلوم ہونے لگیں اور دوسروں پر تصرف اور توجہ کی استعداد بھی پیدا ہو جائے تو ایسا طالب بزرگی کے نام پر خود پسندی اور خودنمائی کے خطرات سے دوچار ہونے لگتا ہے، اگر وہ جلد ہی سنبھل کر صحیح روحانی استاد کے تابع ہو جاتا ہے تو اس کے بچاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں بزرگی کے نام پر اس کے لئے دنیا کشاہ کر دی جاتی ہے اور اسے فقر کی دولت عظیمی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

کثرت ذکر کے نتیجہ میں دل و دماغ پر پہرہ لگ جاتا ہے، جس کی وجہ سے دنیا کے حوالے سے غیر ضروری خیالات، وسوسوں اور منفی جذبات کی روک خام کی صورت پیدا جاتی ہے۔ کثرت ذکر کا یہ ایسا شمرہ ہے، جو صوفی کو اس دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت بنادیتا ہے۔

مبتدی متوسط اور منتہی طالب کا ذکر اور اس کی نوعیت

ذکر کے بارے میں یہ نکتہ بھی سمجھنا از حد ضروری ہے کہ مبتدی، متوسط اور منتہی صوفی کا ذکر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مبتدی طالب اگر روزانہ ذکر کو

آدھے گھنٹے سے ایک گھنٹہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو، یہ ذکر اس کا معمول بن جائے تو اس کی زندگی خوشیوں سے عبارت ہو جائے گی اور اسے حالت تو سط میں آنے میں دیرینہ لگے گی۔ متوسط صوفی کا ذکر یہ ہے کہ وہ نفس کو دل کے ذکر کے ذریعہ مسلسل رکھتا رہے اور دل کو مسلسل ذکر میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتا رہے۔ منتہی کا ذکر یہ ہے کہ وہ نوافل اور تلاوت قرآن سے تعلق مستحکم کرتا رہے، اپنا بیشتر وقت خدمت دین اور خدمت خلق میں صرف کرے۔

ذکر کی یہ وہ ترتیب ہے، جسے پیش رکھنا ضروری ہے۔ متوسط صوفی کا بیشتر وقت ذکر میں اس لئے صرف ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ کثرت ذکر کے نور کے بغیر نفس کی ہولناک قوتوں سے اس کی جان خلاصی نہیں ہو سکتی۔ نفس کی قوتوں کی موجودگی میں خدمت دین سے ریا، خود نمائی، انا، کبر، اور حب مال جیسے جذبات اندر سے پوری قوت سے ابھرنے لگتے ہیں۔

دوسری سزا یہ ہوتی ہے کہ اسے فقرِ محمدی کے اجزاء سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور عام مریدوں کی بجائے مالداروں کے جلو میں رہنا، اس کا معمول بن جاتا ہے گاڑیوں، بیگلوں اور زیادہ سے زیادہ دولت کی فکر اس پر مسلط کر دی جاتی ہے۔

تیسرا سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے گرد ایسے افراد کا گھیراؤ ہونے لگتا ہے، جن کی تہذیب نفس اور اصلاح نفس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، وہ صرف بزرگ کی برکات سے مقتی ہونا چاہتے ہیں، زندگی کے رخ کو بدلنے کے کاموں سے انہیں زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ بڑا نازک معاملہ ہے، اللہ ہمیں اس سزا سے بچائے اور ہر وقت خود احتسابی سے کام لے کر اپنی کمزوریوں کے مشاہدہ اور ان سے بچاؤ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم اس سے اس کے فضل خاص کی انتباہ کرتے ہیں۔

مبتدی طالب پر ہونے والا ذہنی دباؤ

مبتدی طالب اکثر نفس کے اس دباؤ اور وسوسوں میں رہتا ہے کہ ذکر کی

راہ بہت کھٹھن اور صبر آزم راہ ہے، اس کی وجہ سے دنیادار دوستوں کی دوستی کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ مادی دنیا کی لذتوں سے دشبرا داری اختیار کرنی ہے۔ بعض طالبیوں پر نفس کی طرف سے یہ وسوسہ غالب ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی کرے، اس کی اصلاح مشکل ہے، اس لئے کہ برسوں سے ذکر کی دنیا میں شامل ہونے کے باوجود ابھی تک منفی خیالات اور جذبات سے جان خلاصی نہیں ہو سکی، نماز میں بھی خشوع خضوع پیدا نہ ہوا، اضطراب، جھنجلاہٹ اور دل کا دنیا سے اچاٹ ہونے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ غالب ہے۔

نفس کے ان وسوسوں اور اس دباؤ کی وجہ سے اکثر مبتدی طالب فریب نفس کا شکار ہو کر، ذکر سے فرار اختیار کر جاتے ہیں۔ لیکن انہیں اس کی جو سزا بھگتی پڑتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نفس پرستی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ جس سے نکلنے کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مبتدی طالب کو ہمت و حوصلہ سے کام لے کر جیسے تیس اللہ کی محبت کی راہ میں چلتا چاہے، اس کی مستقل مزاجی کو دیکھ کر ایک وقت ایسا آئے گا کہ محبوب اسے اس بحرانی صورت سے نکال دے گا۔

متوسط صوفی پر نفس کی طرف سے یہ حملہ ہوتا ہے کہ وہ اب بزرگی کے مقام پر پہنچ گیا ہے، اس لئے اسے اب بزرگی کے مقام پر فائز ہو کر، دوسروں کی تربیت کا کام ہاتھ میں لینا چاہئے۔ چونکہ اسے بہتر خواب اور کچھ کشف ہونے لگتا ہے، لوگوں میں کچھ شہرت بھی ہو جاتی ہے، اس لئے متوسط صوفی نفس کے اس چنگل میں پھنس کر بزرگ بن بیٹھتا ہے، اس طرح وہ نفس کے طسماتی جاں میں پھنس جاتا ہے، اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ بزرگی کی آڑ میں وہ لوگوں کو اپنا غلام بنانے لگتا ہے۔ مختلف طریقوں سے دولت کمانے اور شان و مان کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔ ان حالات میں متنہی صوفی کو غیر معمولی صبر اور حکمت سے

کام لینے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اسے سرسری سلوک طے کرانے والے بزرگوں سے اجازت بھی مل جائے، اس کے باوجود وہ بزرگی کے ذریعہ حب جاہ و حب مال کی راہ پر ہرگز گامزن نہ ہو، اس لئے کہ آخرت میں تو فرد کو اپنی جواب دہی ہو گی۔ وہاں خلافت دینے والا بزرگی کام نہیں آئے گا۔

مادیت کی عالمگیر تحریک کی طرف سے
نفس کی خطرناکی میں اضافہ ہونا

نفس کی قوت پہلے ہی کچھ کم خطرناک نہیں تھی لیکن موجودہ دور میں مادیت کی عالمگیر تحریک نے نفس کی اس قوت میں جو اضافہ کیا ہے، وہ ہولناک ہے۔ عالمی شاہوکار کے پاس اتنی بے تحاشہ دولت ہے کہ حد و حساب سے باہر، جس سے وہ قوموں کی قوموں کو خرید رہا ہے اور ملکوں کو ڈھنی، تہذیبی اور معماشی طور پر غلام بنانا کر، اپنا ملکوں بنا رہا ہے۔ ایکٹرانک میڈیا ساری کی ساری اس کی پشت پر ہے۔ ہماری ملت کے لاکھوں ذہین افراد ہیں، جسے وہ دولت سے خرید کر مادیت، جنہی آزادی، دین و مذہب اور شریعت کے خلاف بھتیجا رکھ کر طور پر استعمال کر رہا ہے۔ نوجوان نسل مادیت کے سیلا ب میں تنکوں کی طرح تیزی سے بہتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں نفس اور مادیت کی عالمگیر قوت سے بچاؤ کی واحد صورت ایک ہی ہے، وہ ذکر کے حلقوں کو مستحکم کرنا اور نوجوان نسل کو اس کی طرف دعوت دینا ہے۔ ذکر کے یہ حلقات مادیت کے سیلا ب میں کشتی، نوح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لالہ کا ذکر باطل کی ساری قوتوں کی نفی کے مزاج کو مستحکم کرتا ہے تو اسی ذات کا قلبی ذکر دل کے سارے تالوں کو کھول کر، اس میں اللہ کے انوار حسن کو بھر دیتا ہے، جس سے فرد و افراد نفس اور مادیت کی عالمگیر قوتوں کے خلاف سیسے پلاٹی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔
موجودہ دور میں ذکر کے حلقوں کو مستحکم کئے بغیر مسلم امت کے بچاؤ و تحفظ

کے سارے راستے بند ہیں۔

طالب کو ہونے والے تلخ تجربات و مشاہدات

راہ محبت میں طالب کو عرصہ تک اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک تو ذکر کے لئے اس کی **تیشگی** ختم ہونے کا نام نہیں لیتی، وہ جتنا ذکر کرتا ہے، اتنی زیادہ اس کی مزید طلب پیدا ہوتی جاتی ہے، اس لئے طالب کو برسوں تک شب و روز چلنا پڑتا ہے۔ طالب کو دوسرا مشاہدہ جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس پر محبوب کی طرف سے قبض بے چینی اور ہیئت کے تیر مسلسل گرتے رہتے ہیں۔ جس سے اس کا دل دنیا سے اچانک ہو جاتا ہے، محبوب کے ذکر کے علاوہ اس کی دوسری مصروفیتیں محدود ہو جاتی ہیں، بلکہ وہ اس کے تابع ہو جاتی ہیں۔ تیسرا مشاہدہ جو طالب کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ نفس کے مکر و فریب کے وسیع جال میں پھنسا ہوا ہے۔ روزانہ اسے خودنمائی، خود پسندی، تکبر، ریا، حرص، وہوس، حب مال اور مادی حسن پر کشش کے مسلسل حملے ہوتے رہتے ہیں۔ نفس کی ان قتوں کے مشاہدہ سے وہ بعض اوقات عاجز اور بے بس ہو کر محبوب کی طرف فریاد کی نظرؤں سے دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اسے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لے، طالب کو جو چوتھا تجربہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ عام طور پر جسمانی نظام کے بکاڑ مثلاً پیٹ کی خرابی، اعصابی و دماغی کمزوری جیسے امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان ساری چیزوں سے مقصود طالب کی نفس کی قوت کو فنا کرنا ہوتا ہے۔ اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ طالب کو مشاہداتی حالات سے گذار کر، حالت صحی اور حالت بقا میں لاایا جائے، تاکہ ایک تو وہ نفس کے شر سے بچنے کے اهتمام سے غافل نہ ہو دوم یہ کہ وہ سچے طالبوں کی صحیح طور پر تربیت کر کے انہیں نفس کی گھاٹیوں کے عمل سے گذارنے میں کردار ادا کر سکے، سوم یہ کہ وہ ہر معاملہ میں

اللہ کے فضل پر انعام کرنے کے سلیقہ کا حامل بن سکے۔

اللہ کے طالب کی مثال

اللہ کے طالب کی مثال مجھلی کی طرح ہے کہ جس کی زندگی پانی سے وابستہ ہے، پانی سے باہر نکلنے کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہے۔ بالخصوص اللہ کا متوسط طالب تو ذکر کے ماحول سے جدائی کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا، اس سے اس کے قلب پر تیر برنسے لگتے ہیں اور وسوسوں کا ہجوم اسے گھیرنے لگتا ہے، جو اسے ذکر کے ماحول سے وابستہ ہونے اور ذکر کے ذریعہ اس سفر کو طے کرنے کے لئے تیز رفتاری سے چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ منتہی صوفی کی ذکر سے طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، تاہم اگر کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اس کے بھی یومیہ گھنٹے دیڑھ کے ذکر میں کمی واقع ہوگی تو اس کے حالات بھی بدلا شروع ہو جائیں گے اور اس کا نفس بھی کروٹیں لینا شروع کر دے گا۔

خلافتوں کی تقسیم میں فیاضی سے

سبنجیدہ حلقوں میں تشویش کا ہونا

آج کل اکثر بزرگوں کی طرف سے خلافتوں کی تقسیم میں جو فیاضی ہو رہی ہے، اس نے سبنجیدہ علمی حلقوں اور مذہب سے متاثر جدید طبقات میں تصوف واہل تصوف کے بارے میں شدت تحفظات پیدا کر دیئے ہیں، اور اس ادارہ کو بے تو قیر کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ پنجاب کے ایک پیر صاحب نے سندھ کے ایک مولانا کو صرف تین ملاقاتوں میں خلافت عطا فرمائی، ہمیں اس اعتبار سے خوشی ہوئی کہ اب مذکورہ مولانا صاحب پیر طریقت بن جانے کے بعد اپنے لکر اور حکمت عملی میں تبدیلی فرمائی گے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، موصوف لگ بھگ پنٹیس سال سے سندھی زبان میں ماہنامہ رسالہ نکال رہے ہیں۔ سندھ کے مذہبی طبقہ میں سندھی

قوم پرستی کو فروغ دینے، ترقی پسندوں اور کمیونسٹوں کے بارے میں نرم گوشہ پیدا کرنے میں موصوف کا اہم کردار رہا ہے۔ موصوف، قیام پاکستان کو انگریز کی سازش قرار دے کر، اس کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اب بھی وہ اسی پالیسی پر گامزن ہے۔ دینی سیاسی جماعتوں سے فکری اختلاف کی وجہ سے موصوف جوانہ میان اختیار کرتے ہیں اور جو ذہنی سانچہ بناتے ہیں۔ اس کا اندازہ موصوف کے اس ماہ یعنی اکتوبر کے رسالے کی ایک تحریر سے لگاسکتے ہیں۔

مولانا محمد سلیمان طاہر مرحوم کے بارے میں لکھتے ہیں: مرحوم پر مودودیت کے اثرات غالب تھے اور جماعت اسلامی کے حلقة میں شامل رہے۔ بعد میں انہوں نے اگرچہ جماعت اسلامی کو چھوڑ دیا، لیکن مودودیت کی فکر سے پوری طرح آزاد نہ ہو سکے، یہ بھی بہتر عاقبت کے لئے کافی ہے کہ مودودیت سے بڑی حد تک آزاد ہو گئے تھے اور ان منحوس اثرات سے کافی حد تک بلند ہو گئے تھے۔ وہ بھی عمر کے آخری حصہ میں۔“

تصوف اہل تصوف کی موجودہ حالت زار دیکھ کر اگرچہ تصوف کی وکالت کرنا ہم جیسے افراد کے لئے بڑا امتحان ہے، تاہم روایتی تصوف کی نہیں، بلکہ ہم تو ان نفراء سے تعلق قائم کرنے کی طرف بلاتے ہیں، جو شہرت کے جدید طریقوں سے بے نیاز ہیں، جو گنام رہ کر اللہ کے بندوں کے ترکیہ و تربیت کا کام کر رہے ہیں۔ جو دولمندوں سے خائف رہتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے فقیرانہ رنگ کو متاثر کرنے میں کامیاب نہ ہوں، اس لئے وہ دولمندوں سے دور رہتے ہیں۔

انسانیت کو دھکتے ہوئے انگاروں سے

بچانے کی صورت

علمی کفر کی طاقتلوں نے آج دنیا کا جو نقشہ بنایا ہے، وہ ایسا ہے، جس میں انسانیت ہر اعتبار سے پس کر رہ گئی ہے۔ اس سے مذہب اور روحانیت سلب کر کے، اسے بے پناہ وجودی، ذہنی، نفسیاتی و مزاجی بیماریوں کا شکار بنایا گیا ہے۔

انسان کا دوسرے انسانوں سے وفاداری کا رشتہ منقطع کر دیا گیا ہے، جس سے مغرب، انسان سے مایوس ہو کر جانور اور وہ بھی کتنے جیسے جانور سے رشتہ مستحکم کرنے اور اسے گھر کا حصہ بنانے پر مجبور ہوا ہے۔

معاشی طور پر حالت یہ ہے کہ زیر زمین قدرت کے بے پناہ خزانوں کی دریافت، بے پناہ مادی وسائل اور اناج کی بہتات کے باوجود کروڑ ہا بلکہ ارباہا انسان دو وقت کی روٹی کے محتاج بن گئے ہیں اور علاج کی سہولت سے محروم ہیں۔

انسانیت کی یہ حالت زار اہل ایمان اور اہل ذکر کے لئے دعوت فکر ہے کہ وہ کم از کم چھوٹے پیمانہ پر ہی سہی، ایسا معاشرہ تنکیل دینے کی کوشش کریں جس میں اللہ کے کثرت ذکر کے زیر اثر افراد معاشرہ کی طرف سے ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کے مظاہر عام ہوں، جہاں محض اللہ کے لئے غریبوں کو اپنی دولت میں حصہ دار بنانے کا عمل عام ہو، جہاں محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے والہانہ محبت کا منظر موجود ہو، جس معاشرہ میں تجارت و معاشرت خالص اسلامی اصولوں پر قائم ہو، اس طرح کا معاشرہ اگر متشکل ہو جائے تو وہ پوری انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور وہ اسے موجودہ دھکتے ہوئے آگ کے انگاروں پر لیٹنے والی زندگی سے نجات دلانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ معاشرہ اللہ کے کثرت ذکر کے زیر اثر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ کاش کہ مسلم معاشرہ میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ انسانیت کی موجودہ حالت زار کو دیکھتے ہوئے اس طرح کے مثالی معاشرہ کے قیام کو ممکن بنائیں۔

پاکستانی ملت کی حالت زار

اور اس کا ایک اہم سبب

ہمارے ملک کے حکمرانوں اور سرکاری مشنری نے پاکستانی ملت کے ساتھ

جو حشر کیا ہے، وہ ایسا حشر ہے جو دشمن بھی اپنے مخالف کے ساتھ نہیں کرتا، ملک کے ہر شہر اور ہر قصبه کی حالت یہ ہوئی ہے کہ ہر محلہ میں گندگی کے ڈھیر جمع ہو گئے ہیں۔ گٹر ابل کر روڑ اور راستے غلاظتوں کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ روڑ بنتے ہیں، دوچار ماہ کے اندر روٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ لوگ عدالتوں میں برسوں تک چلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ مظلوم حق رسی کے لئے کوڑوں کے چکر کاٹ کاٹ کر دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے، کسی دفتر میں معمولی کام بھی رشتہ کے بغیر نہیں ہوتا۔ بے صلاحیت اور غریب افراد کو مزید افلاس میں مبتلا کرنے کی روشن غالب ہے۔ ڈاکٹر ہیں کہ علاج و آپریشن کے بہانے لوگوں سے لاکھوں روپے لوٹ لیتے ہیں، جدید تعلیمی اداروں میں داخلہ کی فیس اتنی بڑھ گئی ہے کہ غریبوں کے لئے فیسوں کی ادائیگی ممکن نہیں۔ حکمرانوں اور آفیسروں پر ایک ہی فکر غالب ہے کہ قوم کے وسائل کی لوٹ مار کر کے، اپنے گھر کس طرح بھرے جائیں۔

نفسانی کے اس ماحول کی تبدیلی اور مؤثر طبقات کے مزاج و نفیات کی اصلاح کی کوئی صورت موجود نہیں، سیاسی و سماجی نویعت کی تنظیمیں اور ادارے خود مال بنانے کی صورت بن چکے ہیں۔

یہ ساری صورت حال اس لئے ہے کہ اللہ کی محبت، جو فطرت انسانی کا لازوال نصب لعینی داعیہ ہے، تعلیم و تربیت کے جملہ اداروں سے اسے نکال دیا گیا ہے، اس نصب لعین کے تحت زندگی کی تشكیل و تعمیر اللہ کے ذکر اور اہل اللہ کے صحبت سے ہی ہو سکتی ہے، اس کا اہتمام اور فکر نہ ہونے کی وجہ سے ضمیر مردہ ہو گئے ہیں، آخری حد تک قسوات قلبی اور سُنگِ دلی پیدا ہوئی ہے۔

مسلم معاشرہ صدیوں سے ایمانی حیثیت اور دینی اعتبار سے متحکم معاشرہ رہا ہے، ہندستان میں ہندی تہذیب (جو ہزاروں سالوں سے یہاں آنے والی ملتوں، اور اہل مذاہب کو اپنی تہذیب میں ضم کرنے میں کامیاب رہی ہے) مسلمان صدیوں سے اگر اس تہذیب کا مقابلہ کر کے، اپنے جدا گانہ تشخض کو

برقرار رکھنے میں کامیاب رہے ہیں تو اس کا ایک بڑا سبب اہل اللہ کی خانقاہیں رہی ہیں، جن کی صحبت کے زیر اثر عقیدہ توحید رائج رہا ہے، اب اہل اللہ سے دوری و بدظنی کی سزا ہے کہ مغربی تہذیب ہمارے گھروں کا حصہ بنتی جا رہی ہے۔ اور مادی مفادات کی وجہ سے ملت کے مفادات اور اخلاقی قدرتوں سے دستبرداری تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

مصنوعی مادی زندگی پر لعنت بیجهنے کی صورت

موجودہ دور میں عالمی سرمایہدار کے زیر اثر وجود میں آنے والی مادی تہذیب نے زندگی کا نقشہ کچھ ایسا بنایا ہے کہ مالی وسائل سے تھی دامن کروڑا افراد کی زندگی اچیرن ہو گئی ہے، مہنگائی بڑھ گئی ہے، روزگار کے ذرائع مسدود ہیں۔ ضروریات بڑھ گئی ہیں۔ غریبوں کو حقیر سمجھنے کی نفیات غالب ہو گئی ہے۔ خوشحال لوگوں کی طرف سے معاشرتی زندگی میں اختیار کئے گئے رنگ ڈھنگ اور شادی بیاہ پر بے پناہ اخراجات اور ان کی طرف سے بلند معیار زندگی کے نمونوں نے وسائل سے محروم افراد کی زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔ اور ان کی حرثتوں وارمانوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ ایسے بے سہارا افراد کے لئے اللہ کے ذکر کا سہارا لے کر، صبر و شکر کی نفیات کو پختہ کرنا اور اس طرح کی مصنوعی مادی زندگی پر لعنت بیجهنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں پناہ لیں۔ ذکر اس سلسلہ میں ان کے سارے مادی احساسات کو پاکیزہ بنانا کر، ان کے ارمانوں کو ختم کر دے گا اور دلوں میں دونوں جہانوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں کا استحضار کرے گا، جن میں آپ نے اللہ سے دعا کی ہے کہ یا اللہ، مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ، مسکینوں کے ساتھ موت دے، اور آخرت میں مسکینوں کے ساتھ اٹھا، اس سے بڑھکر مسکینوں کے لئے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہو۔ لیکن یہ سعادت کثرت ذکر سے ہی حاصل

ہو سکتی ہے، اس لئے کہ طبیعت میں حقیقی مسکینی کا رنگ اللہ کے ذکر سے ہی پیدا اور مستحکم ہوتا ہے۔

قوم کے مغرب زہ اہم طبقات کی اصلاح کی صورت

قوموں کی زندگی اور ان کی ترقی، احساس ذمہ داری، فرانچ کی ادائیگی، اور اپنے معین کردہ کاموں کی چستی سے سرانجامی سے ہی وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے ہم اگر پاکستانی ملت کا جائزہ لیں گے تو معلومات ہوگا کہ قومی زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ افراد کی بڑی اکثریت کام چوری اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں فرار کی راہ پر گامزد ہے۔ اور قومی زندگی کا ہر شعبہ بتاہی کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اہل مغرب نے اپنی قوم کے افراد میں قوی اخلاق اور قانون کی حکمرانی کی صورت میں اس کا علاج تجویز کیا ہے، چنانچہ لوگ قوی اور ریاستی ذمہ داریوں کی عدم ادائیگی، کام چوری، نیکس چوری وغیرہ کو بہت بڑا قومی جرم تصور کرتے ہیں۔ ایسے افراد سخت سزا کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

اہل مغرب نے چونکہ مذہب سے آزاد ہو کر، عقلیت کی بنیاد پر اس مسئلہ کا علاج تلاش کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ اس میں ایک حد تک تو کامیاب ہیں۔ لیکن مغربی معاشرہ پچی مذہبیت اور پچی روحانیت سے محرومی کی وجہ سے وجود انی، داخلی اور باطنی طور پر ایک بہت بڑے بحران سے دوچار ہے۔ وہ معاشرہ جس میں عورت اور مرد کی ازدواجی زندگی میں محبت و وفاداری کا غضر موجود نہ ہو، عورت شوہر سے زیادہ کتے سے وفاداری کی متنبی ہو، بچہ کی پیدائش کو اپنی عیاشیوں کی راہ میں حائل سمجھا جاتا ہو، اس معاشرہ سے اجتماعی زندگی کا رنگ و ڈھنگ سیکھنا عجیب سے لگتا ہے، لیکن ہماری قوم کے جدید طبقات کی حالت قابل رحم ہے کہ وہ مغرب سے اس کی بُرا ایساں اخذ کرنے میں تو فخر محسوس کرتے

ہیں، لیکن اس کی بہتر باتوں سے استفادہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ ملت کے ہر شعبہ سے وابستہ افراد میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کے سلسلہ میں اللہ کی محبت اور ذکر کا اهتمام فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ نظام تعلیم کی روح میں اللہ کی محبت کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے اور ذکر کو انسانی فطرت کا سب سے ناگزیر تقاضا سمجھو کر، اس کو تعلیم و تربیت کے نصاب کا حصہ بنایا جائے، یہی طریقہ ہے جس سے خود اخസابی کی استعداد بھی پیدا ہوگی تو اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے باطنی حس بھی تیز سے تیز تر ہوگی اور روحانی سکون و ہمنیت کی نعمت عظمی بھی حاصل ہوگی۔

ریاستی اداروں کی بتاہی سے بچاؤ کی صورت

حقیقت یہ ہے کہ نظام تعلیم کی اللہ سے محبت کے نصب العین کی بنیاد پر تشکیل کے بغیر ہم نہ تو مغربی انسان کی طرح فرش شناس افراد تیار کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مادہ پرست اور نفس پرست افراد، سیاست دانوں اور تاجریوں وغیرہ کی بڑے پیمانہ پر تیاری اور ان کے ذریعہ ریاستی اداروں کی بتاہی کی صورت سے نج سکتے ہیں۔

اللہ کی محبت کی دنیا میں کشف و کرامات کی قابل ذکر اہمیت کا نہ ہونا

اللہ کی محبت کی دنیا میں اصل چیز ذکر اور اللہ رسول کی اطاعت میں استقامت کا مظاہر ہونا اور استقامت سے چلتے رہنا ہے، کشف، الہام، دوسروی دنیا کے مشاہدات یا پیشگی باتوں کا علم ہونا ضروری نہیں، یہ مقبولیت اور درویشی کی علامت بھی نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے اسے غیر ضروری طور پر اہمیت دی ہے۔ حالانکہ اکابر بزرگوں کی نظر میں ان چیزوں کی حیثیت حوصلہ افزائی سے زیادہ نہیں

ہے۔ اس سے طالب کو یہ باور کرانا ہے کہ ہماری راہ میں تمہارا چلنا ہمیں عزیز ہے، اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی تو فرماتے ہیں کہ کشف، الہام اور کرامات کی حیثیت بچوں کے کھلونوں سے زیادہ نہیں، جو ان کے دل بھلانے کی ایک صورت ہے، ایک دوسرے مکتب میں فرماتے ہیں کہ میں کشف و کرامات کو ایک بُو کے بد لے میں بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑی کرامات یہ ہے کہ ذکر اور اطاعت والی زندگی پر استقامت نصیب ہو۔ اور مادی زندگی کی دوڑ میں شریک ہونے سے انکار کی روشن غالب ہو۔

جدید دور میں صحیح درویشوں کے ناپید ہونے کی شکایت

جدید دور میں اکثر یہ شکایت کی جاتی ہے کہ صحیح درویش اور اللہ والے ناپید ہو گئے ہیں، وہ ملتے نہیں، درویشی اور بزرگی کے نام پر دکانداری چکانے کی صورت عام ہے۔

اس شکایت کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ یہ عذر لنگ اور اللہ کی محبت کی دنیا سے فرار کا ایک بہانہ ہے۔ آج بھی حقیقی درویش، حقیقی فقیر اور اللہ والے موجود ہیں۔ ہر شہر اور ہر علاقہ میں موجود ہیں، جنہیں یہ فکر دامنگیر ہے کہ اللہ کے عشق کی چنگاری افراد میں منتقل کر دی جائے، تاکہ ان کے لئے نفس پرستی کی قوتوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے، لیکن افراد پر مادیت کا غیر معمولی رنگ اور پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی پیدا کردہ خرابیاں اتنی غالب ہیں کہ اللہ کی پچی محبت کی طلب اور زندگی کے رنگ ڈھنگ کو بدلنے کی آرزو ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس طرح کی صورت حال میں حقیقی درویشوں اور فقیروں کے لئے لوگوں سے دور اپنی دنیا بسانے اور لوگوں کی حالت زار پر خون کے آنسو

بہانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

حقیقی اللہ والوں کا قیامت تک موجود رہنا

حقیقی اللہ والے ہمیشہ رہے ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، دنیا ان کے وجود سے ہی قائم ہے، حقیقی طلب موجود ہو تو ان تک رسائی کی آسانی سے صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ مارکیٹ سے جس چیز کی مانگ ختم ہو جاتی ہے، وہ چیز مارکیٹ سے غائب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ موجود ہوتی ہے، لیکن طلب نہ ہونے کی وجہ سے مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہوتی۔

روایتی درگاہوں کی خرابیوں کی وجہ سے حقیقی درویشوں اور فقیروں سے بدلنی اور ان سے دوری کی روشن عقائدی ہرگز نہیں، اس سے معاشرہ میں بڑھتے ہوئے اخلاقی اور روحانی بگاڑ کو روکنے کی ساری تدابیر بے اثر اور ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

پیر رومی اور ان کے شاگرد اقبال کا زور

پیر رومی فرماتے ہیں۔

نفس نہ تو ان الا ظل پیر
پیش مرد کامل پامال شو

(نفسی قوت کمزور نہیں ہوتی، حقیقی بزرگ و درویش کی صحبت کے بغیر، اس لئے کامل مرد کے سامنے پیش ہو کر اپنے آپ کو پامال کر دو۔)
اقبال کہتے ہیں۔

مت پوچھ شان ان فقیروں کی
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں آستینوں میں

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اکابر و اصحاب بزرگ سب اس بات پر متفق ہیں افراد کی سیرت و کردار کی تعمیر پاکیزہ درویشوں کی صحبت سے ہی ہوتی ہے۔ جس طرح بُری صحبت سے اچھے سے اچھا فرد بُرا بن جاتا ہے، اسی طرح صالح صحبت سے بُرے سے بُرا فرد صالح تر ہو جاتا ہے۔ بُری صحبت اپنے ساتھ طاقتوں منفی شعائیں لاتی ہے، ان منفی شعائوں سے نجح کر پاکیزہ کردار کا حامل ہونا ممکن نہیں، اسی طرح صالح صحبت سے طاقتوں پاکیزہ شعائوں کی منتقلی کا عمل جاری ہوتا ہے، جس سے فرد کی زندگی صالحیت کا نمونہ بننے لگتی ہے۔ اللہ کی یہ سنت ہے کہ فرد و افراد کی نئی اور حقیقی زندگی کی تخلیق اہل اللہ کی صحبت سے ہی ہوتی ہے۔

اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی ملت، نفس پرستی کی قوتوں کی نذر ہو کر زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔

امت میں اصلاح اور اصلاحی تحریکوں کا راستہ ذکر سے ہو کر ہی گذرتا ہے

یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امت میں پچھلے تیرہ سو سال سے تجدید احیائے دین اور دعوت و اصلاح کی جو بھی تحریکیں اٹھی ہیں، وہ سب علمائے ربانیین کی، اللہ کی محبت اور ذکر کی حرارت اور کثرت ذکر سے حاصل ہونے والی حمیت دین کا نتیجہ ہیں، جس کی تفصیل مولانا علی میان نے اپنی کتاب ”تاریخ دعوت عزیمت“ میں پیش کی ہے۔ امام غزالی کی طرف سے عقل مخصوص کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی گمراہی کی تحریک کے خلاف جدوجہد، اللہ کی محبت میں استغراق اور ذکر کے مراحل سے گذرنے کے بعد ہی ممکن ہو سکی اور کامیابی سے سرفراز ہوئی۔ برصغیر ہند میں اسلام کے پھیلاؤ اور دس لاکھ سے زیادہ ہندوؤں کو دائرہ اسلام میں شامل کرنے کا عظیم الشان کارنامہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ہی سرانجام دیا، جوان کی اہل اللہ کی صحبت اور ذکر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی غیر معمولی ایمانی قوت کا نتیجہ تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر بادشاہ کی سرپرستی میں شروع ہونے والی الحادی تحریک کے خلاف کامیاب جدوجہد کر کے، ہندستان میں اسلام کے

تحفظ کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، انہوں نے یہ کارنامہ تصوف کے پلیٹ فارم سے ہی تو سرانجام دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کر سید احمد شہید اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تک تحفظ اسلام کے لئے جتنے بھی اہم کام ہوئے، ان سب میں ذکر کی قوت و تاثیر اور صحبت اہل اللہ کا فیض ہی تو شامل تھا۔

اہل اللہ کی معیت میں شروع ہونے والے ذکر کی اہمیت

ذکر کا جو سفر صحبت اہل اللہ کے ذریعہ شروع ہوتا ہے، وہ اپنے طور پر شروع ہونے والے ذکر سے کئی گناہ زیادہ افادیت کا حامل ہوتا ہے، اس لئے کہ اہل اللہ کی صحبت کے نتیجہ میں ہونے والے ذکر کے ذریعہ فرد، نفسی قوتوں کا وسیع جنگل طے کر کے، اس جنگل میں پوشیدہ ہزارہا درندوں کو مات کر کے، نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنے طور پر ذکر و اوراد شروع کرنا اور اسے مستقل مزاجی سے کرتے رہنا، یہ بھی اصلاح نفس کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی نفی کرنا غلط ہے۔ لیکن درویشوں کی معیت میں شروع ہونے والے ذکر سے قدم قدم پر نفسی قوتوں کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور ان قوتوں سے بچاؤ کی بھی بہتر سے بہتر صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے طالب عرصہ تک محبوب حقیقی کے جلالی و جمالی صفات کے عکس کے حالات سے گذر کر، فنا سے حالت بقا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔

درویشوں کی صحبت کے سلسلہ میں سارے اکابر بزرگوں نے زور دیا ہے، ان سب کا کہنا ہے کہ انہیں جو کچھ حاصل ہوا، نفس مطمئنہ کی دولت، دینی خدمت کی سعادت، راہ حق میں استقامت، ذکر میں حاصل ہونے والا ملکہ، یہ سب درویشوں کی صحبت کا ہی فیض تھا۔ درویشوں کی صحبت سے فرد و افراد میں موجود انانیت اور شخصیت کا بٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ جب کہ اپنے طور پر شروع کرنے

والے ذکر سے یہ متأنی پوری طرح حاصل نہیں ہوتے۔ صحبت اہل اللہ کے سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں جس تاکید سے اس پر اصرار کیا ہے۔ یہاں اس کے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

مکتب نمبر ۲۱۹ جلد اول جوانہوں نے حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا تھا لکھتے ہیں:

”اہل اللہ دلی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی مرضوں کا دور ہونا، ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا ہے۔ اور ان کی نظر شفا۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کا ہم نشین بدجنت نہیں ہوتا۔ اور یہی لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔ انہی کے طفیل بارش نازل ہوتی ہے۔ اور انہی کے طفیل مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے۔ باطنی مرضوں کے سردار اور اندرونی بیماریوں کے رئیس، جب تک ماسوائے حق میں دل کی گرفتاری ہے تب تک اس قید سے پوری طور پر آزادی حاصل نہ ہوگی اور اسلامتی محال ہے۔“

مکتب نمبر ۳۲۲ جلد اول صہ ۳۲۲ میں لکھتے ہیں ”اور جاننا چاہیے کہ حضرت خاتم الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت سے ہزار سال بعد حضورؐ کی امت کے اولیاء جو ظاہر ہوئے، اگرچہ وہ قلیل ہوئے، مگر اکمل ہوئے، تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں!“

مکتب نمبر ۲۱۶ جلد اول صہ ۲۱۶ میں لکھتے ہیں ”شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا، تمہ کو پالیا۔ اور جب تک تمہ کو نہ پایا، ان کو نہ پہچانا۔ اس گروہ کا بعض زہر قاتل ہے۔ اور ان پر طعن کرنا، بیشہ کی مایوسی کا باعث ہے۔ نجاح اللہ سب حانہ وايا کم عن هذا الابتلاع (اللہ تعالیٰ ہم اور آپ کو اس مصیبت سے بچائے!)“

اللٰہ جس کو تو اپنے دربار سے دھنکارنا چاہتا ہے اُس کو تو ہمارا مخالف بنادیتا ہے۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ ہتش ورق!
ترجمہ: بندگانِ حق اور حق کی عنایت کے سوا ہے عمل نامہ سیاہ گرچہ فرشتہ بن گیا!

مکتب نمبر ۵۹ جلد اول صہ ۱۳۳ سید محمود کی طرف صادر فرمایا ہے: ”پس خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جس کو ان کی یعنی اہل اللہ کی متابعت کی توفیق حاصل ہوئی، ان کی تقلید سے مشرف ہوا۔ اور ہلاکت ہے اُس شخص کیلئے، جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے الگ ہو گیا۔ اور ان اصولوں سے منہ پھیرا۔ اور اس گروہ سے نکل گیا، پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس روایت اور شفاقت کا منکر ہوا۔ اور صحبت کی فضیلت اور صحابہ کی بزرگی اس سے مخفی رہی۔ اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور اولاد بتوں کی محبت سے محروم رہا۔ اور وہ اس بڑی نیکی سے رُک گیا، جو اہل سنت والجماعت نے حاصل کی!“

صہ ۱۳۷ میں لکھتے ہیں ”پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ کیلئے کرتے ہیں اپنے نفس کیلئے نہیں، کیونکہ ان کے نفس خدا پر قربان ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے اخلاص کو خالص کرنے میں نیت کا صحیح کرنا ضروری نہیں ہے۔ ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے درست ہو چکی ہے۔ مثلاً کوئی شخص جو اپنے نفس میں گرفتار ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کیلئے کرتا ہے، خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ اور جب نفس کی قید سے دور ہو کر اللہ تعالیٰ کی قید حاصل ہو جائے تو اس صحت میں وہ جو کچھ کریگا اللہ کیلئے کریگا، خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ نیت ظنی امر میں درکار ہے یقینی میں اس کی حاجت نہیں۔ ذلک فضلُ اللہِ یُؤْتیُہُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

موجودہ دور کے دونئے جاگیردار طبقات

ہمارے حضرت غلام مصطفیٰ[ؒ] کے غلیفہ مجاز حضرت حکیم محمد رفیق صاحب فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں دونئے جاگیردار طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک ڈاکٹروں کا طبقہ، دوسرا پیروں کا طبقہ، آپ کا یہ تجزیہ ایک حد تک صحیح نظر آتا ہے۔ مشہور روایتی درگاہوں میں تو یہ صورتحال ہے ہی، لیکن بدستی سے کئی صحیح افکر پیروں کے ہاں بھی جاگیردارانہ شان و مان اور ٹھائٹھ بائٹھ کی زندگی کا رنگ غالب ہے۔ ذکر کی مجلسیں بھی ہیں، سیکڑوں کی تعداد میں خلافاء ہیں۔ ان خلافاء کے ہاں بھی ذکر کا کچھ نہ کچھ اہتمام ہوتا ہے، اس کے باوجود بڑے پیر صاحب دولت سے کھیل رہے ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں مالداروں کے لئے دل کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں، جب کہ غریب مریدوں اور عام لوگوں کا ان سے مانا دشوار تر۔

اس طرح کے پیر اصولوں کی خلاف ورزی یعنی مالداروں سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی وجہ سے ہی اس صورتحال سے دوچار ہیں۔ بزرگی، جو امت میں صدیوں سے فقرِ محمدی کے اجزاء سے بہرہ وری کا ذریعہ رہی ہے، بزرگی سے اس فقر کو نکالنے کے بعد آخر بزرگی کی کوئی امتیازی شان باقی رہتی ہے۔

اس روشن کی وجہ سے ایک بڑا نقسان یہ ہوا ہے کہ تصوف و اہل تصوف کو مسترد کرنے والے علمی طبقات کو اہل تصوف کے خلاف فضا ہموار کرنے اور اس سلسلہ میں ذہنوں کو ہمنوا بنانے میں آسانی ہوئی ہے۔ دوسرا نقسان یہ ہوا ہے کہ بزرگوں کی دیکھا دیکھی تصوف کے نام پر دکانداری جمانے اور دولت کمانے کی روشن کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ تیسرا نقسان یہ ہوا ہے کہ ان بزرگوں سے وابستہ مریدوں کے ہاں تصوف سے زہد، فقر اور دنیا سے بے نیازی جیسے بنیادی

جو ہروں کو نکال کر تصوف کو صرف ذکر و فکر اور ظاہری شریعت کے اہتمام تک محدود کر دیا گیا ہے۔

اگر صحیح افکر پیروں کے ہاں خود احتسابی اور تربیت کا عمل مفہوم ہو جائے تو آخر معاشرہ کے وہ کون سے طبقات ہیں، جن سے خود احتسابی کی توقع رکھی جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک خلیفہ کو بہت اہم اور بنیادی نوعیت کی ہدایات فرمائی ہیں اور نہایت تاکید سے فرمائی ہیں۔ آپ کے یہ بنیادی نکات موجودہ دور میں اللہ کے طالبوں کی تربیت کرنے والے بزرگوں کے لئے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر انہیں پیش نظر رکھا جائے تو اہل تصوف کی طرف سے افراط و تغیریط سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی اور سلف صالحین کا یہ ادارہ مسلم امت کی بہتر طور پر رہنمائی کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی[ؒ] اپنے ممتاز خلیفہ ملا طاہر بدخشی کو لکھتے ہیں: ”مخلوق میں اپنے مقبول ہونے کی شہرت سے لرزائ و ترسائ رہنا، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ (ترجمہ، آدمی کی بُراًی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ دین و دنیا میں (شہرت کی بنا پر) اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں، مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)۔

اپنے افعال و نیتوں کو ناقص سمجھنا، اگرچہ وہ روز روشن کی طرح واضح ہوں۔ اپنے احوال و مواجهہ (کشف و کرامات) پر عدم توجہ کرنا، اگرچہ وہ درست و مطابق شریعت ہی کیوں نہ ہوں۔“

”اگر کوئی مرید (اصلاح کی) طلب کے ساتھ آئے اور (اور حق تعالیٰ کے ساتھ) مشغول رہنے کا ارادہ ظاہر کرے تو اسے تم اپنے لئے بیرونی کی طرح سمجھو

اور اس سے ڈرتے رہو کہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے خرابی کا موجب ہو اور یہ امر اس کے لئے استدراج ثابت ہو۔ اگر بالفرض کسی مرید کے آنے سے خوشی محسوس ہو تو اس خوشی کو نفر اور شرک کی طرح بُرجیس اور اس کا تدارک استغفار اور ندامت کے ذریعہ اس حد تک کریں کہ دل سے خوشی کا اثر بالکل زائل ہو جائے۔ بلکہ خوشی کی بجائے دل میں غم اور خوف کی کیفیت پیدا جائے۔

اپنے خلفاء کو اس بات کی تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور ان سے دنیاوی فائدے کی آرزو اور موقع ہرگز نہ رکھیں، کیونکہ یہ آرزو مرید کی اصلاح وہدایت کی راہ میں رکاوٹ بنے گی اور بزرگ کے لئے فتنہ کا موجب ثابت ہوگی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے خالص دین کا مطالبہ ہے، **أَلَا لِلّهِ الَّذِينَ الْخَالِصُونَ** (سورہ زمر آیت ۳) (آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے)۔ اس کی نقدس بارگاہ میں شرک کی کسی طرح کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین ہونا چاہئے کہ دل پر طاری ہونے والی ہر قسم کی تاریکی اور قساوت کا ازالہ توبہ واستغفار اور شرمدگی اور انجاء کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتا ہے، لیکن دل پر جو تاریکی اور کدورت کمینی دنیا کی محبت کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، جو دل کو غلیظ اور ناپاک کر دیتی ہے، اس کا ازالہ بہت دشوار ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحیح فرمایا ہے کہ ”حب الدنیا رأس كل خطيئة“ (دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو دنیا کی محبت، دنیاداروں کی محبت اور ان سے میل جوں سے بچائے، کیونکہ یہ محبت زہر قاتل ہے، ہلاکت خیر بیماری ہے، اور عظیم تر بلا ہے اور پھیلنے والی بیماری ہے۔ (دفتر اول مکتب نمبر ۴۷۔ مترجم حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب^ر)

خودنمائی و خودشانی کی صورت میں سزا کا ملننا

حقیقی درویش کی، بڑی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کے قائم کردہ اصولوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے لئے کوشش ہوتا ہے، تاہم جو بزرگ اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے محبوب کی طرف سے سزا ملتی ہے۔ اس سزا کی نوعیت اس طرح کی ہوتی ہے، مثلاً اسے خودنمائی و خودشانی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے، جس سے اس پر اپنی تعریف و توصیف کا شوق دامنکیر ہونے لگتا ہے، اس کے حلقة میں سب سے زیادہ قریبی وہی افراد ہوتے ہیں، جو ان کی شان عظمت کے گن گاتے ہیں۔ اور اس کے ناکرده کاموں کی بھی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ ایسے افراد، جو اسے اپنی اصلیت اور اپنی بشری کمزوریاں یاد دلائکیں، انہیں ایسے افراد سے دور کر دیا جاتا ہے۔

تصوف کا اسلامی شریعت کا خادم ہونا

تصوف و سلوک دراصل اس حدیث جبریل سے ماخوذ ہے، جس میں ایمان، اسلام اور احسان تین بنیادی چیزوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور احسان کا مفہوم یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ استحضار نہیں ہوتا تو کم یہ دھیان تو غالب ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تصوف کی ساری ریاضتوں کا مقصد احسان کے اس ملکہ کو مستحکم کرنا ہے، اس حدیث کی رو سے پہلی چیز بنیادی عقائد ہیں۔ اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان وغیرہ، اگر یہ عقیدے صحیح نہیں یا ان عقیدوں سے انکار ہے تو ایسا تصوف جہالت اور اسلام سے فرار اور اس سے بغاوت کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اس حدیث میں دوسری بنیادی چیز جس کی تاکید فرمائی گئی ہے، وہ اسلام اور اسلامی شریعت ہے، تصوف دراصل اسلامی شریعت کے نقدس کو قائم رکھنے اور

اسلامی شریعت پر استقامت سے چلتے رہنے اور پوری زندگی اللہ و رسول کے احکامات پر رضا خوشی سے عمل پیرا ہونے کا ذریعہ ہے۔

تصوف سے توحید، رسالت اور اسلامی شریعت کو نکالنے کے بعد وہ تصوف نہیں رہتا، وہ جاہلوں کی خرافات بن جاتا ہے، مجلس سماع، نشہ کا استعمال، جذباتی کلام سے آپ سے باہر ہونا، اسلامی فرائض سے بے نیازی، دھوم دھرکا وغیرہ یہ جاہلناہ تصوف کے وہ مظاہر ہیں، جسے عالمی کفر اسلامی دنیا میں فروغ دینا چاہتا ہے، اس کے لئے وہ رقم خرچ کر رہا ہے۔

اسلامی شریعت، حیثیت دین، اللہ کے لئے بغض اور اللہ کے لئے دوستی یہ بنیادی چیزیں ہیں، جو حقیقی تصوف اور اہل تصوف کا امتیازی شان رہی ہیں۔ بزرگان دین کی، امت میں مسلمہ حیثیت اور ان کے ساتھ والہانہ محبت کا بنیادی سبب بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے امین و نگہبان رہے ہیں۔

اسلامی نظام کی تعمیر کا کام ذکر کے بغیر ممکن نہیں

ہمارے ہاں جدید اسلامی فکر سے وابستہ بہت سارے مخلص افراد اسلامی نظام کی تعمیر کا کام قیل قال، نظریاتی تبادلہ خیال، اخباری بیانات، جلسوں اور تقریبات کے اہتمام، کچھ سماجی خدمت کے کاموں، کتابوں و رسائل کے اجراء، سیاسی اچھل کو، بڑھتی ہوئی مغربی یلغار کے خلاف جذبات کے اظہار، تنظیم سازی اور کارکنوں کے مالی تعاون سے تنظیم کے استحکام اور کارکنوں کی نظریاتی اور ڈینی تربیت کے پروگراموں کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کام میں وہ سنجیدہ اور بڑے متحرک ہیں۔

یہ جدید تعلیم یافتہ افراد چونکہ مسلم امت کے مزاج کو نہیں سمجھتے اور صلحائے امت اور مجددین امت نے ہر دور میں افراد معاشرہ کو دین پر قائم رکھنے اور منکر

کے خلاف ان کے اسلامی جذبات کو ابھارنے اور معاشرہ کی اسلامی خطوط پر تربیت کے لئے ہر دور میں جو حکمت عملی تنکیل دی، وہ چونکہ اس سے واقف نہیں، اس لئے اسلام کے یہ مخلص افراد جدید دور کے تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر اسلامی نظام کی تعمیر کا عظیم الشان کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے بہتر اور پاکیزہ جذبات کی قدر کے بغیر نہیں رہا سکتا، لیکن انہیں یہ نکتہ بادر کرانا بھی ضروری ہے کہ انسانی نفس کی پیچیدگیاں اتنی ہولناک اور خوفناک ہیں کہ فکری نوعیت کے نقشوں، نظریاتی نوعیت کے کاموں اور قیل و قال سے اسلامی نظام کی تعمیر کا کام تو دور کی بات ہے، کارکنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رنجشوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر باہم ڈگر متصادم ہونے سے بچانا اور ان کے ظرف میں وسعت پیدا کرنا اور محبت کے جذبات کو فروغ دینا ہی ممکن نہیں۔

اس کے لئے ذکر و فکر کے ذریعہ اللہ سے محبت کے ملکہ کو مستحکم کر کے، انسانی نفس کو مہذب بنانا، اسے انسانی جو ہروں سے بہرہ ور کرنا، باطن کی وسیع دنیا میں موجود درندوں کو نکالنا اور حب جاہ و حب مال کے بتوں کو توڑنا ناگزیر ہے، اس کے بغیر غلبہ اسلام کی کوئی تحریک مستحکم ہونا، ”ایں خیال است این حال است“ کے مصدقہ ہے۔

امت کے صدیوں کے تجربات سے اگر وہ استفادہ نہیں کریں گے تو اس کے نتیجے میں ساری تنظیمی قوت کے باوجود افراد معاشرہ کو متاثر کر کے، اس کام میں پیش قدمی کی صورت کا پیدا ہونا دشوار تر ہے۔

غلبہ دین کا مجاز تعلیم و تربیت کے
اداروں کے استحکام کا متھاضی ہے

غلبہ دین کا کام ایسا ہے، جو محض سیاسی نوعیت کا کام نہیں ہے۔ بلکہ

سیاست تو نام ہے کری کے لئے چھینا جھٹی کا، سیاست تو اقتدار کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے مجاز آرائی کا ذریعہ ہے۔ سیاست، داعی اسلام کو فریق کی حیثیت دے کر، اس کی دعوت کی بات کو بے وزن کرنے کا باعث ہے۔ غلبہ دین کی بذریعہ سیاست، کے نعرہ سے باہر نکل کر ان نئے خطوط پر سونپنے کے لئے تیار نہیں۔ ادارے مشتمل کرنے کا کام شروع کیا جائے، جس کے ذریعہ اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی نوجوان نسل تیار ہو، جو ذکر و فکر کے مزاج میں رچے بے ہونے کے ساتھ ساتھ جدید دور کی علمی و فنی و تکنیکی صلاحیتوں کی بھی حامل ہو، تعلیمی و تربیتی اداروں سے نکلنے والی نوجوان نسل کے افراد پیشہ تجارت اختیار کریں، یا سیاست میں شامل ہوں، وہ تعلیمی اداروں میں استاد کی حیثیت سے فرائض ادا کریں یا ڈاکٹروں کی حیثیت سے کام کریں، یا سرکاری مشتری کا حصہ بن جائیں، وہ ہر شعبہ میں جا کر، اللہ کی محبت کے غلبہ کے زیراٹ اسلامائزیشن کا کردار ادا کریں گے۔ اس طرح معاشرہ کی بھی بہتر اسلامی بنیادوں پر تشکیل کا کام ہو سکے گا تو ساتھ ساتھ اسلامی تحریک کو سیاست میں حکومت کا فریق بنے بغیر سیاست کی بہتری اور سیاسی طور پر غلبہ اسلام کی صورت بھی پیدا ہوتی جائے گی۔

اسلامی تحریک کو صرف یہ کام کرنا ہے کہ وہ وقتی وہنگائی تحریکوں سے یکسو ہو کر، اپنی ساری توانائیاں اللہ کی محبت کی بنیاد پر کتابوں کی نصاب کے تیاری، اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین کی کارفرمائی پر تحقیق کو بنیاد بنا کر، ملک بھر میں تعلیمی و تربیتی اداروں کا جال پھلانیں، یہ تعلیمی ادارے میں پچیس سالوں کے اندر ایسی نوجوان نسل تیار کر کے سامنے لائیں گے، جو مجاز آرائی اور فریق بنے بغیر، غلبہ اسلام اور فروغ اسلام کے لئے اپنے حصہ کا بھرپور کردار ادا کریں گے اور معاشرے کو ایسے تاجر، ایسے ڈاکٹر، ایسے ٹکنیکل ماہر، ایسے سیاسی کارکن اور سیاستدان فراہم کریں گے جو ان شعبوں میں غلبہ دین کے کام کو اپنے ایمان کا

حصہ سمجھیں گے۔

انسوں یہ ہے کہ اسلامی تحریک کی لیڈر شپ دائراتی خول میں بندش اور ایک آدھ مفکر کی فکری تقلید میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ”غلبہ دین بذریعہ سیاست“ کے نعرہ سے باہر نکل کر ان نئے خطوط پر سونپنے کے لئے تیار نہیں۔ دراصل یہی تقلید اور فکری جود جماعتوں، اداروں اور قوموں کے لئے زوال کا سبب ہے۔

ہمارا کام سلف صالحین کی دعویٰ حکمت عملی کی روشنی میں صحیح فکری خطوط متعین کرنا ہے۔ غور و فکر اور عمل کرنا نہ کرنا، ہمارے اختیار میں نہیں۔

بزرگی کے نام پر توجه دینے کا عمل

اس دور میں تصوف کے نام پر بعض بزرگوں نے توجہ دینے کی صلاحیت پیدا کر کے طالبوں کے دلوں میں بیک وقت تحریک پیدا کرنے اور حالت نیند میں بھی ان کے لاشعور میں اپنی شخصیت کے اثرات منتقل کرنے جیسی چیزوں کو وظیفہ بنایا ہوا ہے۔

اس توجہ کے نتیجے میں طالب وقتی طور پر اپنے فکر و نظر اور دل کی دنیا میں غیر معمولی ہلچل محسوس کرتا ہے اور اس توجہ کو دل کے جاری ہونے سے عبارت سمجھنے لگتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا جو نقصان ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ طالب زندگی بھر بزرگ کی توجہ کا محتاج رہتا ہے۔ اور ذکر کے مجاہدوں کی طرف آنے اور ذکر کے ذریعہ نفس کو مہذب بنانے کے عمل کو غیر معمولی طور پر مشکل عمل سمجھنے لگتا ہے۔ توجہ کے اثرات کا ان سطور کے رقم کو بھی اندازہ ہوا، وہ اس طرح کہ تصوف سے واپسی کے ابتدائی دور میں میرا ایک نوجوان بزرگ سے تعلق رہا، ان سے جب بھی ملاقات ہو تو ان کی کشش اپنی طرف کھپکھتی رہی اور نفس میں ہلچل

برپا ہو جاتی، اور دل کیفیات سے سرشار ہوتا، اس کے بعد جب حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰؒ سے تعلق قائم ہوا تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ان بزرگ کے مقابلہ میں توجہ کا اثر عشر عشیر بھی نہ تھا، اور دل کے محلے کی بھی کوئی کیفیت غالب نہ تھی۔ حالانکہ حضرت ڈاکٹر صاحب اس نوجوان بزرگ سے ہر اتفاق سے اعلیٰ مقام کے صاحب تھے۔

دوسرے کئی افراد نے جنہیں ان دونوں بزرگوں کی زیارت کی سعادت حاصل تھی، انہوں نے بھی بر ملا اپنے اس تاثر کا اظہار کیا۔

ہمارے ایک ساتھی ہیں، وہ اپنے علاقے کے ایک بزرگ (جو ہمارے بھی دوست ہیں) واقعہ بتاتے ہیں کہ ان سے دوچار ملاقاتیں ہوئیں، اس کے بعد خواب میں کئی بار وہ مجھے اپنی طرف پوری شدت سے کھینچنے لگے، میں بہت پریشان ہوا۔ ایک بار موصوف مل گئے، میں نے عرض کیا کہ سائیں، میرے ساتھ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ مجھلی پھنسانے کے لئے آخر جال تو پھینکنا ہی پڑتا ہے۔

مجھلی پھنسانے کے لئے جال پھینکنے کی یہ ادراصل فرد کو لہیت کی بجائے نفسانیت کی طرف لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لئے حقیقی اہل اللہ، نفسانیت کی طرف لے جانے والی چیزوں سے احتراز کرتے ہیں۔ توجہ یا تو مشقوں کے ذریعہ نگاہ کو ایک خاص چیز پر جمانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی روزانہ مشق کی جاتی ہے۔ یا پھر تنسیخی نوعیت کے وظائف کو معمول بنانے سے پیدا ہوتی ہے۔ مریدوں کے دل پر خصوصی توجہ دینے سے بھی مرید خاص کیفیات محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو عام طور پر توجہ دینے والے کے لئے خود خطرہ کا باعث ہیں۔

درویشوں کے ہاں آنے والے افراد کی نوعیت

حقیقی درویش اور صوفی کی معنوی اولاد وہ چند طالب ہی ہوتے ہیں، جو اللہ کے ذکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ درویش کو یہ معنوی اولاد سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، جان کی طرح عزیز، وہ یہ دیکھ کر خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے کہ فساد زده اور مادیت کے غلبہ کے دور میں اللہ کی طلب رکھنے والے افراد بھی ابھی معاشرہ میں موجود ہیں۔ لیکن یہ دیکھکر، اس کا دل سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے کہ ان طالبوں کی اکثریت دو چار سال بھی چلنے نہیں پاتی۔ ان کے ہاں آنے والے ایک تو وہ افراد ہوتے ہیں، جو ان کی دعاؤں سے اپنی بیماریوں اور دنیاوی کاموں کا حل چاہتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں، جو کاروبار، ملازمت اور دولت میں اضافہ چاہتے ہیں۔ تیسرا وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اپنے ناجائز کاموں کو جواز فراہم کرنے اور ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے بزرگ سے تعلقات کا سہارا چاہتے ہیں، چوتھی قسم کے وہ افراد ہوتے ہیں، جن کی خواہش ہوتی ہے کہ بزرگ کو بھی دنیاداری کے نقشہ پر لایا جائے۔ بہتر گاڑی، بہتر بغلہ اور بینک بیلس کی راہ پر گامزن کیا جائے، تاکہ ان کے لئے روحانیت کے حوالے سے ان ساری چیزوں کا جواز فراہم ہو سکے اور اعتراض کی صورت باقی نہ رہے اور ضمیر کی طمانتی کی صورت پیدا ہو سکے۔

بہت کم طالب ایسے ہوتے ہیں، جو اللہ کی محبت کے ملکہ کو مستحکم کرنے، نفس کو مہذب بنانے اور آخرت میں اللہ کے دیدار کے شوق سے راہ محبت و راہ سلوک میں آتے ہیں۔ افراد کی یہ حالت زار دیکھکر درویش خون کے آنسو بہانے لگتا ہے۔

کچھ جدید مادی نوعیت کے مراقبہ کے حوالے سے بحث

مادی نوعیت کے مراقبہ کے ماہر اوشو نے کہا تھا کہ مراقبہ کے حقیقی فوائد و شرات روزانہ بارہ گھنٹے کے مراقبہ کو معمول بنانے سے آشکار ہو سکتے ہیں، اوشو جو خدا کے وجود منکر تھا، اس کی آشرم میں ہزارہا مرد و خواتین رہتی تھیں اور مغرب کے لاکھوں افراد کو اس نے اپنی ذہانت، تقاریر و کتابوں سے متاثر کیا تھا، مراقبہ کی مشق مستحکم کرنے کے لئے وہ بھاری فیس لیتے تھے، اس طرح وہ ارب پتی بن گئے تھے۔ مادی نوعیت کے مراقبے، اس کے ذریعہ عقلیت اور مادی قوتوں کی تسخیر اور انسانی نسبیات کے موضوع پر اس کی چارسو کے قریب کتا میں ہیں۔ خالص مادی نوعیت کے مراقبہ کے حقیقی اثرات کے بارے میں جدید دور کے اس ماہر دانش کی تحقیق کو جب ہم اللہ کے کثرت ذکر کے قرآنی حکم یا آئیہ اللہین آمنواذ مُنَزَّلَ اللَّهُ ڈُغْرًا گھیرًا۔ کے پس منظر میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے انسان ساری تحقیقات اور اپنی ساری ذہنی صلاحیتوں کے استعمال کے بعد بالآخر قرآن کی صداقت پر پہنچ کر رہے گا۔ امام غزالیؒ نے قرآن کی مذکورہ آیت کی تشریع میں لکھا ہے کہ کثرت ذکر کے قرآنی حکم کی حد بارہ گھنٹے ایک منٹ سے شروع ہوتی ہے۔

ذکر کے بارے میں اکابر بزرگوں یا باقائدہ سلوک طے کرنے والے طالبوں کی جو حالت رہی ہے، وہ یہ ہے کہ عشا کی نماز پڑھکر حالت ذکر و مراقبہ میں رہتے تھے، جب صحیح کی اذان آتی تو کہتے یا اللہ، رات کو کیا ہو گیا، اتنی جلد گذر گئی۔ لیکن موجودہ دور کی غذا، فضا اور صحت کو دیکھکر ایسے مجاہدوں کا ختم مشکل ہے۔ روزانہ دو سے چار گھنٹے کے ذکر سے ہی ان شاء اللہ وہ شرات حاصل ہونے لگیں گے، جو بارہ گھنٹے سے ذکر سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

باخصوص اسم ذات کے تین چار گھنٹے کے قلبی ذکر کا معمول چند سالوں کے اندر اندر نفسی قوت کو پامال کرنے اور فرد کے لئے اسلامی شریعت کو آسان بنانے اور لذت کا مسئلہ بنانے کے لئے کافی ہے۔

وجдан کے بارے میں
آئن اشائن کا بیان کر دہ نکلنے

دل کی اہمیت کے بارے میں، مشہور سائنسدان آئن اشائن نے لکھا ہے کہ ہر سائنسی تحقیق کا سب سے پہلے اکتشاف وجدان پر ہوتا ہے، اس کے بعد اس پر غور و فکر اور تحقیق و تلاش اور تجزیہ و تحلیل کا کام ہوتا ہے۔ اس سے جدید سائنس کے حوالے سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ عقل دراصل وجدان کے ماتحت ہے، وجدان سے ملنے والی رہنمائی اور اس کے احکامات کے بعد ہی عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔

قرآن و احادیث میں دل کی اس فیصلہ کن اہمیت کا بار بار ذکر موجود ہے، صوفیاء کرام، قلبی ذکر کے ذریعہ دل کی ان صلاحیتوں کو بیدار کر کے، محبوب کے ساتھ تعلق میں اضافہ کے ساتھ ساتھ نئی نئی معلومات، قیمتی نکات اور انسانی شخصیت کے بارے میں بے پناہ معلومات سے آشنا ہوتے ہیں۔

دوسروں کی فکر میں
غلطان نہ ہونے کی روشن

درویش کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس سے وابستہ طالب اپنی اصلاح اور تزکیہ کی فکر کریں، وہ دوسروں پر تقيید اور ان کے قصور و جھگڑوں میں نہ پڑیں، دوسرے کیا ہیں، کیا نہیں، وہ جانیں، ہمیں تو اپنی فکر دامنگیر ہونی چاہے کہ ہمارا نفس کدورتوں اور مادیت کی پرستش میں بتلا ہے۔ اسے کس طرح راہ راست پر لائیں، دوسروں کی باتیں فرد کو عام طور پر اپنی اصلاح کی فکر سے دور لے جاتی

ہیں، اس سے قلب میں تاریکی بھی پیدا ہونے لگتی ہے۔ البتہ اگر دوسروں سے معاملہ درپیش ہو تو معاملہ نہی کی خاطر بات کی جاسکتی ہے، اس میں زیادہ وقت کا ضیاع طالب کے دل کو غیر میں مصروف رکھکر، اسے دکھ و رنجیدگی سے سرشار کر سکتا ہے۔

البتہ درویش کے ہاں، معاشرہ میں کام کرنے والی شخصیتوں، اداروں و جماعتیں کے بارے میں صحیح ذہن سازی کا اہتمام ہونا ضروری ہے، تاکہ طالبوں میں صحیح و غلط کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو سکے، لیکن یہ کام بھی ایسا ہے، جس میں زیادہ وقت کا استعمال، وقت کے ضیاع اور مقصود کو چھوڑ کر جزیات میں پہنچنے کے متعدد ہے۔

کثرت ذکر کے نور سے دعویٰ کا رخصت ہوجانا

کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ جب طالب کو معرفت نفس حاصل ہوتی ہے تو اللہ کی شان عظمت کے زیر اثر اس سے دعویٰ رخصت ہوجاتی ہے، لفی ذات کی وجہ سے اس کی شخصیت پامال ہوجاتی ہے، اس وقت درویش کی وہ حالت ہوجاتی ہے، جس کا ذکر حضرت تھانویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہؒ کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے کہ ان کے پاس جب کوئی بیعت کے لئے آتا تو فرماتے کہ ہم بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ اگر اللہ کے ہاں اس کی بخشش ہوئی تو شاید اس کی برکت سے ہمیں بھی اس کا حصہ ملے اور ہماری بخشش کی صورت بھی پیدا ہو جائے۔

دعوت کے محاذ پر ہونے والا کام اور اس کی ایک کمی کی نشاندہی

ہمارے ہاں دعوت کے محاذ پر بھی ایک عرصہ سے بڑے اخلاص کے ساتھ کام ہو رہا ہے اور امت کے لاکھوں افراد دعوت و تبلیغ کے کام سے جڑے ہوئے ہیں اور زندگیوں میں تبدیلی بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے، لیکن مادیت پرستی کے

بڑھتے ہوئے سیالاب میں اس دعویٰ کام کے زیادہ موثر نہ ہونے کا ایک بڑا سبب کارکنوں میں دعویٰ کام کے ساتھ ذکر کے مزاج اور ملکہ کو راحنہ کرنے کی غلطی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ کارکن چلہ یا چار ماہ کی تبلیغ کے بعد جب اسی مادی ماحول میں واپس آتے ہیں تو دوچار ماہ کے اندر اندر وہ نفس اور مادیت کے زیر اثر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔

ذکر کو فیصلہ کن اہمیت نہ دینے کا ایک نتیجہ جو دعویٰ کام کرنے والے افراد میں عام طور پیدا ہوتا ہے، وہ مزاج کی خشکی، چہرے پر مسکراہٹ کا فقدان، اپنے کارکنوں کے علاوہ سب سے بے مردمی کا عمومی مظاہرہ، طبیعت کی سختی اور اپنے محلہ میں محبت و رواداری والے انسان کی حیثیت سے شاخت کا فقدان ہے، اس کمی و کوتاہی کے ساتھ دعوت کے کام میں برکت پیدا ہو، زندگیوں میں حقیقی انقلاب برپا ہو اور معاشرہ میں تبدیلی کی لہر عام ہو، مشکل ہے۔ یہ بہت بڑی کمی ہے، جو ذکر کو فیصلہ کن اہمیت نہ دینے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کمی کو ذکر کے خصوصی اہتمام کے بغیر پورا کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

چوبیں گھنٹوں میں دوچار تسبیحات پر اکتفا کرنا اور محض اس کا معمول بنانا، یہ دل اور روح کی کم سے کم خوراک بھی نہیں۔ دل اور روح تو محظوظ کی صورت کثرت ذکر ہر وقت بے چین رہتے ہیں۔ ان کی بے چینی کو دور کرنے کی صورت کثرت ذکر کے ذریعہ اللہ کے انوار حسن سے بہرہ وری ہی ہے۔ سیرت و کردار میں پاکیزگی کا پیدا ہونا، محبت و رواداری کا پیدا ہونا، اپنوں اور غیروں سب کے لئے شفیق ہونا، دوسروں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کرنا، یہ کثرت ذکر ہی کی خصوصیات ہیں، تبلیغ جماعت کے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر تبلیغ جماعت سے علم و ذکر رخصت ہو جائے گا تو وہ فساد سے عبارت ہو جائے گی۔

اگرچہ تبلیغ جماعت میں اب بھی خیر کا پہلو غالب ہے، لیکن جن داخلی کمزوریوں کی وجہ سے وہ افراد معاشرہ پر اثر انداز ہونے اور ان کی زندگیوں میں فیصلہ کن تبدیلیاں پیدا کرنے میں کامیاب نہیں، انہیں دور کرنا ضروری ہے۔ ذکر

کی کمی و کوتاہی و کمزوری سب سے اہم عامل ہے۔ اس لئے ذکر کا خصوصی اہتمام جماعت کی بنیاد میں شامل ہونا ازحد ضروری ہے۔ دوسری صورت میں قل و قال، دعوت کے فضائل کی باتیں اور محض وعظ و نصیحت کی گفتگو مادیت کے ہمہ گیر سیلاپ کا مقابلہ کر کے، افراد کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکے، مشکل ہے۔

دعوت و تبلیغ کے دنیا بھر میں ہونے والے عظیم کام پر تنقید کرنا، شاید اپنی حدود سے تجاوز میں شمار نہ ہو، شاید اس تنقید میں نفسی بیماری شامل نہ ہو، اللہ مجھے معاف فرمائے۔

مادیت کے غلبہ کے دور میں
ذکر اور اشاعت دین کی اہمیت

ایک دنیاوی حاکم نے اعلان کیا ہے کہ مشکلات کے دور میں ہماری جماعت کے جو کارکن ہماری بھرپور معاونت کریں گے اور دفاع کریں گے، ہم انہیں سونے میں تولیں گے۔

یہی معاملہ زیادہ بہتر طور پر اللہ کے حقیقی طالب کے ساتھ اس کے محبوب حقیقی کا ہے کہ مادیت پرستی کے غلبہ کے دور میں جو طالب ذکر و فکر کے ذریعہ اس ہستی پر فدائیت کا مظاہرہ کریں گے اور اس کے دین کی اشاعت و فروغ کے لئے کام کریں گے، اللہ محبوب انہیں آخرت میں سرپاپا سونا بنادیں گے، بلکہ سونا تو بہت ہلکی بات ہے، آخرت میں اسے ایسی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں پیچ ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔

برہمنی ہوئی نفسیاتی بیماریاں
اور اس کا علاج

مادی تہذیب نے انسانیت کو جو سب سے رُوا ”تجھے“ دیا ہے، وہ برہمنی

ہوئی نفسیاتی بیماریوں کا ”تجھے“ ہے، جس کی وجہ سے انسان، احساس تہائی و بے گانگی، خود اعتمادی کے بھرمان، احساس کمتری، اشتعال و چھبھلاہٹ، ذہنی عملی صلاحیتوں کے نقدان، قوت فیصلہ کی استعداد سے محرومی، اور اعصابی تھکان جیسی بہت ساری بیماریوں کا شکار ہو گیا ہے۔

یہ نفسیاتی بیماریاں ماضی کی بداعماںیوں، مادہ پرستانہ تہذیب سے واپسی اور اس پر فداکاری اور لاشعور سے نکلنے والی طاقتوں منفی یادوں اور منفی خیالات کے غیر معمولی غلبہ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جدید نفسیات، افراد کی ان نفسی بیماریوں کے علاج میں رُہی طرح ناکام ہے۔ سوائے نینڈ آور گولیوں کے، یا خیالی قوت کو مادی تصور پر بھانے کی مشقوں کے، ان کے ہاں اس کا کوئی مستقل علاج نہیں، جب کہ اہل اللہ، جو انسانی نفسیات کے حقیقی ماحر ہوتے ہیں، ان کے ہاں اس کا مستقل اور بہتر حل موجود ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ بیماریاں منفی خیالات کے غلبہ کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے اس کا علاج ثبت خیالی قوت کو مسلسل اور مستقل مزاجی سے بڑھاتے رہنا ہے۔ یہ ثبت خیالی قوت اللہ کے اسم ذات کے مراقبہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

اسم ذات کے مراقبہ کا دورانیہ جوں جوں بڑھتا جائے گا، اسی مناسبت سے ذہن اور دل پر ثبت خیال کی لہروں کے اثرات غالب ہو کر، منفی خیالات کی قوت کو توڑتی رہیں گی، مراقبہ کی یہ استعداد پیدا کرنے اور منفی خیالات اور منفی یادوں کے زور کو توڑنے کے لئے روحانی استاد کی صحبت ضروری ہے، تاکہ وہ اسم ذات کے کثرت ذکر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی طاقتوں مثبت شعائیں مریض کی نفسیات اور دل و دماغ میں داخل کرتا رہے، روحانی استاد کی صحبت کا یہ عمل جب ایک عرصہ تک جاری رہے گا تو نہ صرف یہ کہ مریض کو مرض سے پوری طرح

شفایابی حاصل ہوگی، بلکہ وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کر سکے۔

زندگی کی مثال ڈرامہ کے لئے
تیار کردہ آٹھ سے زیادہ نہیں

حقیقی درویش، دنیا کی اس ساری زندگی کو اس آٹھ کی طرح سمجھتا ہے، جو شادی بیاہ یا ڈرامہ وغیرہ کے لئے سمجھا جاتا ہے۔ دوچار گھنٹے کے ڈرامہ کی فضا میں مست رہنے کے بعد آٹھ کی یہ ساری سجاوٹ اور رونق ختم ہو جاتی ہے۔ آٹھ کے اس منظر والی عارضی زندگی کو حقیقی زندگی سمجھکر، اس کے لئے بڑی بڑی عمارتیں اور محل تعمیر کرنا، اللہ کی دی ہوئی ساری تو انیسیں زندگی کے ان چند لمحات کو خوشنگوار بنانے میں صرف کرنا، درویش کی نظر میں یہ اتنی بڑی حماقت ہے کہ اس سے بھکر کوئی حماقت نہیں ہو سکتی۔

ذکر سے

زندگی کے عارضی ہونے کے احساس
کا طاقتور ہونا

ذکر، فرد میں اس احساس کو طاقتور بناتا ہے کہ زندگی کے قیمتی لمحات برف کی طرح تیزی سے گھلتے جا رہے ہیں۔ انہی لمحات پر ابدالاًباد کی زندگی کی کامیابی و ناکامی کا دارو مدار ہے، اس لئے بندہ مؤمن، زندگی کی دی ہوئی مہلت کو ضائع کرنے، اسے سستی و غفلت میں خرچ کرنے یا مال کے ڈھیر جمع کرنے میں صرف کرنے کا ہرگز متحمل نہیں ہوتا، وہ ان لمحات کو دائیٰ زندگی کی بہتری اور اس میں نجات کے حصول کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کا مؤثر ذریعہ کثرت ذکر ہی ہے، وہ ذکر کو وظیفہ بناتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ باطن کے سارے جذبات کی تسلیکین کی صورت بھی پیدا ہو سکے تو آخرت کی دائیٰ زندگی کی تیاری کی

فکر بھی غالب ہو سکے۔

نفس سے معركہ آرائی
کے لئے مسلسل مجاہدوں کی ضرورت

یہ بات ذہن نشین ہونا بہت ضروری ہے کہ طالب جب اسم ذات کے ذکر کے ذریعہ اندر میں غوطہ زنی کے لئے کوشش ہوتا ہے تو نفس اور اس کے ساتھ شیطان اپنی ساری تو انیسیوں کے ساتھ طالب پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس پر وسوسوں کا ہجوم طاری کر دیتا ہے۔ جس سے طالب ابتدا میں شدید کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نفس کی خونخوار قوتیں جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، بلکہ ذکر سے وہ مشتعل ہو کر فرد کے ذہن کو مکدر کر دیتی ہیں، اگر طالب نے غیر معمولی ہمت و حوصلہ سے کام لیا اور روحانی استاد کا دامن پکڑ کر چلتا رہا تو نفس اور شیطان کی ان قوتوں سے مقابلہ کے لئے اس کے اندر مزاحمانہ قوت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور اس مزاحمانہ قوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسری صورت میں طالب کے لئے راہ فرار کے خیالات غالب آنے لگتے ہیں۔

اس راہ میں طالب کو قدم قدم پر ہمت و حوصلے سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ نفسی قوتوں سے مقابلہ میں اسے جب بھی غیر معمولی دشواری پیش آتی ہے اور اس کا حوصلہ ٹوٹنے لگتا ہے تو روحانی استاد کی صحبت اسے از سرنو اٹھا کھڑا کر کے ذوق و شوق سے اس راہ میں چلنے پر آمادہ کرنے کا موجب ثابت ہوتی ہے۔

نفس سے معركہ آرائی کا کام ایک دن یاد و چار ماہ کا نہیں، بلکہ برسوں کا کام ہے۔ نفسی قوتیں فرد پر روزانہ حب جاہ و حب مال اور مادی حسن پر فدائیت جیسے جذبات کی صورت میں حملہ آور ہوتی ہیں۔ ذکر اور صحبت کا مسلسل اہتمام طالب کے نفس کو پہلے لوامہ اور اس کے بعد مطمئنہ کے مقام تک پہنچانے کا ذریعہ

ثابت ہوتا ہے۔

چونکہ زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے، اس لئے نفس سے معركہ آرائی کر کے اسے کامل طور پر اللہ و رسول کی اطاعت میں دینے اور انسانوں کے لئے اس کی زہرنا کی کو ختم کرنے کے لئے ذکر و فکر کے مجاہدے ناگزیر ہیں۔ اس کے بغیر تہذیب نفس کا عمل ممکن نہیں۔ اور تہذیب نفس کے بغیر انسانی معاشرہ ایک دوسرے سے تصاصم کے اعتبار سے درندوں بلکہ ان سے زیادہ بدتر صورت اختیار کر جاتا ہے۔

ذکر سے دوری سے بندہ کے درمیاں
اور اللہ کے درمیاں وحشت کا پیدا ہونا

ذکر کے بارے میں امام ابن قیم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ذکر سے غافل ہو جائے وہ مقام احسان تک نہیں پہنچ سکتا۔
بندہ جس قدر ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا ہے۔
غافل کے درمیاں اور اللہ کے درمیاں وحشت پیدا ہو جاتی ہے، جو اللہ کے ذکر کے بغیر زائل نہیں ہو سکتے۔

یعنی ذکر سے دوری اور اس سے محرومی کی، جو سزا ملتی ہے وہ اللہ سے وحشت پیدا ہو جانے کی سزا ہے۔ ایسا فرد اگرچہ رسی دیندار ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا دل محبوب حقیقی سے دور ہوتا ہے، اس پر نیکیوں کے دروازے کھلنے کے بجائے رُمایوں کے راستے وابوتے ہیں۔ وہ اخواتے شیطانی کا شکار ہو جاتا ہے اس پر ہر وقت حب جاہ و ح مال کے جذبات سوار ہوتے ہیں۔

ذکر سے محرومی کی کتنی بڑی سزا ہے، جو فرد کو ملتی ہے، سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔

درویشوں کا کام

اللہ کی محبت کی صدا دیتے رہنا ہے

معاشرہ اتنا بدل گیا ہے کہ افراد میں اللہ کی محبت کے حوالے سے نہ تو گفتگو سننے کے لئے آمادگی پائی جاتی ہے، نہ ہی معاشرہ میں اس محبت کا ادراک موجود ہے۔ درویشوں سے اللہ کی محبت کا بھولا ہوا سبق سیکھنے کے لئے یا تو نفسیاتی مریض جن کی صحت کے سارے راستے بند ہو چکے ہوتے ہیں، وہ رجوع ہوتے ہیں یا پھر غریب و غرباً، جب کہ دانشور، اہل علم باصلاحیت اور کھاتے پیتے افراد کے لئے یہ راستہ ایک لحاظ سے گویا بند ہو گیا ہے، اسی لئے معاشرہ میں مادیت اور دنیاداری کی ایک نہ ختم ہونے والی دوڑ شروع ہو گئی ہے، جو دیوانگی کی حد تک پہنچ چکی ہے۔

درویشوں کا کام اللہ کی محبت کی صدا دیتے رہنا ہے۔ وہ اس فکر سے بلند ہوتے ہیں، کہ ان کی دعوت کو کس حد تک پذیرائی ملتی ہے۔ وہ تو محبوب حقیقی کی رضا کی خاطر یہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

انسان کا احساس سے عبارت ہونا

اور ذکر کا اس احساس کو پاکیزہ کرنا

ذکر کی ایک بڑی خصوصیت، احساس کی پاکیزگی ہے۔ احساس کی پاکیزگی وہ نعمت ہے، جس سے محرومی کی وجہ سے فرد و افراد کی زندگی زہر بن جاتی ہے اور ساری زندگی غلط احساسات کے زیر اثر انگاروں پر لیٹنے کے متراوف ہو جاتی ہے۔ ذکر سے جب احساس میں پاکیزگی پیدا ہونے لگتی ہے تو دنیا، دولت، دوست و احباب، عزیز واقارب اور افراد معاشرہ کے بارے میں فرد کے نقطہ نگاہ اور رویے میں فیصلہ کن تبدیلی آ جاتی ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ دولت حاصل ہونے کا احساس، دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے کا احساس، بڑے پن کا احساس، معاشرہ

میں عزت و شہرت حاصل ہونے کا احساس، دوسروں کی تحقیر کی قیمت پر اپنی بڑائی کا احساس، عزیز واقارب اور دوست و احباب سے معمولی سے معمولی اختلافات پر کشیدگی کا احساس، کاروبار اور اجتماعی زندگی میں حریصانہ اور رقیبانہ احساسات وغیرہ، انسانیت کے ان سارے منافی احساسات سے بلندی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ احساس کی خرابی فرد کو ان ساری خرابیوں میں بنتا کر دیتی ہے، جن کا اوپر ذکر ہوا، اس لئے کہتے ہیں کہ انسان دراصل نام ہے احساس کا۔ احساس پاکیزہ ہو جائے تو پوری انسانی زندگی پاکیزگی سے عبارت ہو جاتی ہے۔ احساس ناپاک اور غلط ہو جائے تو ساری زندگی ٹلمات و سیاہ کاریوں اور باطنی اضطراب، بے یقینی اور ہائے دنیا کے جہنمی احساسات سے سرشار ہو جاتی ہے۔

دنیا میں اب تک کوئی ایسی چیز وجود میں نہیں آئی ہے (اور نہ ہی وجود میں آسکتی ہے) جو فرد و افراد کے احساس کو پاکیزہ بنا سکے، یہ اللہ کا ذکر ہی ہے، جو فرد کے احساس کو پاکیزہ بناتا، اس میں صبر، شکر، قناعت، زہد، درویشی، اللہ کی خلوق سے محبت، کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود سب کچھ ہونے کے احساس سے مالا مال کر دیتا ہے۔

ذکر فرد کے احساسات کی لاطافت کا ذریعہ

ذکر کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرد اور اس کے محبوب حقیقی کے درمیاں سارے جگابات کو دور کر کے اور سارے فاصلوں کو ختم کر کے، ایک دوسرے سے قریب تر کر دیتا ہے۔ جب طالب و مطلوب کے درمیاں قربت پیدا ہو جائے تو فرد کے احساسات کی لاطافت بے پناہ ہو جاتی ہے۔

ذکر

حقیقی علم تک رسائی کا ذریعہ

ذکر کی تیسرا بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرد کے لئے حقیقی علم و معرفت

تک رسائی کا ذریعہ ہے، اور ایسا علم، جس سے قیل قال سے آگے بڑھ کر عمل صالح کی قوت پیدا ہو سکے، ایسا علم و معرفت، جس سے قرآن و سنت پر عمل کرنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ افراد میں علم تو بہت ہوتا ہے، وہ سب کچھ جانتے ہوتے ہیں، دوسروں کو سنانے کے لئے ان کے پاس بے پناہ معلومات ہوتی ہے، لیکن جب انہیں عمل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم انہیں بہتر انسان، صالح انسان، اور پاکیزہ انسان بنانے میں ناکام ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ ذکر اور اہل اللہ کی صحبت سے دوری کی وجہ سے علم، محض قیل قال، دوسروں کو سنانے یا رسمی دینداری پیدا کرنے تک کا حامل ہوتا ہے۔ ایسے علم میں وہ طاقت نہیں ہوتی، جو فرد و افراد کی زندگیوں میں حقیقی تبدیلی پیدا کر کے، انہیں انسانی جوہروں سے بہرہ ور کر سکے۔

یہ کثرت ذکر کا نور ہی ہے جو فرد و افراد کو قرآن میں موجود نور تک پہنچانے اور ایمان کی گہرائیوں تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے، یَهُدِي اللَّهُ بِنُورٍ وَمَن يَشَاءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے فیضیاب کرتا ہے)۔ وَمَن لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ جسے اللہ نور نہ دینا چاہے، اس کے لئے کوئی نور ہی نہیں)۔

جدید انسان کو لاحق

نفسیاتی یہاریاں

اور ان میں مادہ پرست نفسیاتی ماہروں کا کردار

موجودہ دور میں انسانی نفسیات میں پیدا شدہ فساد، جس نے عالمگیر صورت اختیار کر لی ہے اور کروڑا بلکہ اربہا انسانوں کو نفسیاتی مریض بناتا کر، ان کی زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔ وہ انسان کی حقیقت، اس کی اصلیت اور اس کی نوعیت کو نہ سمجھنے اور اسے حیوانی الاصل قرار دے کر، اس کی ان حیوانی ضروریات کی تکمیل کے مقصد کی خاطر، اجتماعی نظام کی صورت گری ہے اور نظام تعلیم و تربیت

کے سارے نقوشوں کی انہی خطوط پر تیاری ہے۔ انہی نظریات پر عالمی سرمایہ داری کا نظام قائم ہے، اور انہی نظریات سے جدید مادی تہذیب وجود میں آئی ہے۔ یہ نظریات، جس نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے، میڈیا اور تعلیم و تربیت کے نظام سے شعوری یا غیرشعوری طور پر اس کے ہمہ گیراثات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان نظریات کی مختصر جھلک مغرب کے مسلمہ ماہرین، نفسیات میگڈوگل، فرانڈ اور ایڈلر کے نظریات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہی نظریات جدید علوم حیاتیات و نفسیات کی بنیاد میں شامل ہیں۔ چونکہ مسلم دنیا کے ماہرین تعلیم، حکمران اور پالیسی ساز عناصر سب کے سب مغرب کے فکری مقلد ہیں۔ بلکہ صحیح معنوں میں ان کے ذہنی غلام ہیں، اس لئے ہمارے نظام تعلیم میں بھی انہی نظریات کی پوری طرح آمیزش شامل ہے۔

میگڈوگل کا نظریہ حیوانی

”میگڈوگل کہتا ہے کہ انسان ایک حیوان ہے، جس کا کوئی فعل ایسا نہیں، جو اس کی کسی جبلت کے تقاضا سے سرزد نہ ہوتا ہو، جب تک انسان کو کوئی جبلت نہ اکسائے، وہ نہ کوئی کام کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کام کے متعلق سوچ سکتا ہے۔

جبلت کیا ہے؟ کسی خاص سمت میں عمل کرنے کے ایک فطری دباؤ کا نام ہے۔ یہ دباؤ قدرت نے جسم اور دماغ کی مادی ساخت میں رکھا ہے اور انسان کے اندر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں، جو حیوانات کے اندر موجود ہیں۔ بھوک، غصہ، جنسیت، فرار حیوانی، انسانی جبلتوں کی مثالیں ہیں۔ ہر جبلتی خواہش کے عمل میں ایک خاص جذباتی کیفیت موجود رہتی ہے، ہر جبلت ایک اندر وہی یا پیروں ترغیب کے تحت عمل کرتی ہے۔ پھر جبلتی خواہش کی تکمیل اور تشفی انسان کے لئے ایک خاص قسم کی خوشی اور لذت کا موجب ہوتی ہے۔“

فرانڈ کا نظریہ لاشعور و نظریہ جنس

فرانڈ کہتا ہے: ”انسانی نفس صرف وہی نہیں، جسے ہم شعور کہتے ہیں اور جس کی مدد سے ہم سوچتے، جانتے اور محسوس کرتے اور گرد و پیش کے حالات میں تغیر کرنے کے قابل سمجھتے ہیں، بلکہ انسانی نفس کا ایک حصہ ایسا بھی ہے، جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے موجود رہتا ہے۔

یہ حصہ، جسے فرانڈ تخت الشعور یا لاشعور کا نام دیتا ہے، اس کے خیال میں شخصیت انسانی کا بہت بڑا حصہ، بلکہ انسان کی ساری شخصیت یہ لاشعور ہی ہے اور شعور اسی کا ایک جزو ہے، جو پیروں دنیا کا جائزہ لینے کے لئے اوپر ابھر آیا ہے۔ شعور کو لاشعور سے وہی تعلق ہے، جو سمندر کی جھاگ کو سمندر سے ہے، کیونکہ شعور کے تمام جذبات، محسوسات اور خیالات لاشعور ہی سے آتے ہیں۔

لاشعور میں ایک طوفان تمنا ہر وقت برپا رہتا ہے اور یہ تمنا ایک زبردست جنسی خواہش ہے، جسے ہر عورت اور مرد کا لاشعور آخري حد تک مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لیکن لاشعور اپنی جنسی خواہشات کو شعور کے ذریعے سے پوری کر سکتا ہے۔ لہذا وہ شعور کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان کی تسلیکیں کا انتظام کرے، اگرچہ شعور، جو درحقیقت لاشعور ہی کا ایک حصہ اور اسی کی پیداوار ہے۔ لاشعور کی خواہشات کو پورا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ تاہم اکثر اوقات انہیں پورا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کا دباؤ ہوتا ہے، جو اسے خواہشات کی تکمیل سے روکتا ہے۔

فرانڈ کہتا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے وقت اپنا لاشعور اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ اس نے اس کی جنسی خواہشات کا عمل بچپن ہی سے شروع ہو جاتا ہے، جب کہ عام خیال یہ ہے کہ جنسی خواہشات جوانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے فرانڈ کہتا ہے کہ بچہ کا انگوٹھا چونسا یا ماں کے

پستان کا چونسا یا بول و برآز خارج کرنا، بچ کے جنسی افعال ہیں، جن سے اس کو جنسی لذت حاصل ہوتی ہے۔

مختصرًا فرانڈ کے نزدیک انسان ایک مغلوب الشہوات حیوان ہے، جسے قدرت نے ذیل کے تین طریقوں میں سے ایک طریقہ کے اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔

(۱) وہ اپنے لاشعور کی حد رجہ شرمناک جنسی خواہشات کو پوری آزادی اور بے حیائی سے مطمئن کرے، چاہے اسے کتنا ہی برا سمجھے، لیکن اسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس سلسلہ میں سماج کی پرواہ نہ کرے!

(۲) وہ سماج کے خوف سے اپنی طاقتور جنسی خواہشات کو ہمت سے دبایے اور پھر تشویش، ہستیریا، جنون، خوف اور پریشانی وغیرہ دماغی امراض میں بتلا ہو جائے۔

(۳) وہ اپنی جنسی خواہشات کی بجائے مذهب، اخلاق، علم اور ہنر ایسی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہے اور اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ چیزیں وہم سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں اور ان کی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اس کے دکھے ہوئے دل کو فریب میں بیتلہ کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

ایڈلر کا دوسروں پر بالا تری حاصل کرنے کا نظریہ

تمیرا نظریہ، جس نے مغرب کو ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے اور ”طااقت کا حصول ہی زندگی کا نصب العین ہے“ کی راہ پر لگایا ہے، وہ ایڈلر کا نظریہ احساس برتری ہے۔

ایڈلر کا کہنا ہے کہ: ”لاشعور کے اندر ہر وقت جس خواہش کا طوفان برپا

ہے، وہ جنسی نوعیت کا نہیں، بلکہ دوسروں پر برتری حاصل کرنے کا طوفان ہے، تاہم وہ فرانڈ کی طرح مذهب، اخلاق، فلسفہ، علم، ہنر، اور انسان کی دوسری اعلیٰ سرگرمیوں کو واہمہ سمجھتا ہے اور ان کو سماج کے اختراعات قرار دیتا ہے اور ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کو فرضی سمجھتا ہے، اس کے نزدیک انسان کی زندگی کی ساری تگ و دوکا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر غالب کرے۔ بچپن میں جب وہ اپنے والدین اور دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں کمزور اور ناتوان پاتا ہے، وہ اس کی نسبت ہر لحاظ سے قوی تر، بہتر اور برتر ہوتے ہیں اور اپنی قوت کی وجہ سے اس پر حکمران ہوتے ہیں اور اسے مغلوب اور مقهور رکھتے ہیں۔

کمزوری اور ناتوانی کا، اس کا یہ احساس، اس کے دل میں منتکم ہو جاتا ہے اور وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کمزوری اور ناتوانی سے نجات حاصل کر کے اپنے آپ کو دوسروں پر غالب کر دے اور اس کی ساری زندگی کی تگ و دو اس غلبہ کی جستجو کی صورت اختیار کرتی ہے، وہ طاقت، غلبہ اور قوت کسی چیز میں سمجھتا ہے؟ اس کا دارود مدار اس بات پر ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کمی یا کمزوری کی نوعیت کیا ہے اور وہ اپنی کون سی کمی یا کمزوری کی تلاشی کرنا چاہتا ہے۔“

مسلم حکماء کا اللہ سے محبت کا نصب العینی نظریہ

جدید ماہرین نفیت و طبیعت کے ان نظریات کے برعکس مسلم حکماء کا کہنا ہے کہ انسانی فطرت میں سب سے زیادہ طاقتور نصب العینی محرك وداعیہ، اللہ سے محبت کا داعیہ ہے، باقی سارے جذبات و میلانات اسی ایک طاقتور عامل کے زیر اثر ہیں۔ مسلم حکماء کہتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسانوں میں اللہ کی محبت کے طاقتور فطری داعیہ کو (جسے ماحول، حالات اور تعلیمی و تربیتی نظام اور شرکی طاغوتی قوتیں دبادیتی ہیں) اسے بیدار کر کے مخلصانہ

اطاعت کے ذریعہ اسے ارتقائی صورت دی جائے، جس سے فرد و افراد کے سارے جذبات و احساسات کی تسلیم کی از خود صورت پیدا ہوتی جائے گی، اور انسان اشرف الخلوقات کی حیثیت اختیار کر کے، دنیا میں اپنے صحیح کردار کی ادائیگی کے قابل ہو سکے گا، اس نصب العین داعیے کی تکمیل کی صورت اللہ کی عبادت، اس کا ذکر و فکر، کائنات میں تفکر اور اشیائے کائنات میں کافر ما قدرتی قوانین کی دریافت اور ان کے ذریعہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنا اور اس معرفت میں اضافہ پر اضافہ کرتے رہنا ہے۔

مسلم حکماء، جنہیں صوفیاء کرام بھی کہہ سکتے ہیں، جن کی فکری نمائندگی امام غزالی، مولانا رومی، حضرت شیخ احمد سرہندی اور علامہ اقبال وغیرہ نے کی ہے، انہوں نے اپنی فکر میں تفصیل سے اپنے اس نظریہ کے خدوخال بیان کئے ہیں۔ انسان کے نصب العین کے تعین کے بارے میں ان کا یہ موقف دراصل قرآن و سنت کے گھرے مطالعہ اور صلحائے امت کے اجماع ہی سے مانوذ ہے اور صوفیائے کرام نے چودہ سو سال سے اربہا انسانوں پر اس کے تجربات کر کے اور ان کے نفسیاتی تجزیے و تحلیل کے ذریعہ اس کی صحت کو سو فیصد حد تک کامیاب ثابت کیا ہے، ساری مسلم نفسیات اب تک کروڑ ہا اربہا مسلمانوں کے اسی تجزیہ و تحلیل ہی سے بحث کرتی ہے۔

موجودہ دور کے انسان کی جملہ نفسیاتی و ذہنی بیماریوں، فکری انتشار، اعصابی تناو، بے لیقی و بے اعتمادی، غیر معمولی حساسیت، اشتعال و چھنجلاہٹ، دل کے زیر وزبر ہونے کی بیماری، دوسروں سے تصادم کی نفسیات، احساس تہائی و مظلومیت اور احساس بے بسی ساری خرابیاں و پیچیدگیاں مسلم حکماء کے ”نصب العین داعیے“ کے ذریعہ آسمانی سے دور ہو سکتی ہیں۔ اس طرح انسانیت، نفسیات میں پیدا شدہ فساد کی وجہ سے ہولناک تباہی سے نجات ممکن ہے۔

جدید طبقہ میں

شریعت سے آزاد روحانیت کی طلب و چاہت کا ہونا

ہمارے ہاں جدید تعلیم یافتہ افراد میں ایک قابل ذکر طبقہ ایسا ہے، جو کچھ اپنی آزاد خیالی، سیکولر تعلیمی و تربیتی پس منظر، کچھ نفسیاتی الجھنوں، ڈنی دباؤ اور کچھ میڈیا کے ذریعہ روحانیت کے علمی سطح کے نمائندوں کے مشاہدہ کی وجہ سے چاہتا ہے کہ تصوف میں انہیں ان کے ڈنی پس منظر کی حامل شخصیتیں مل جائیں۔ ایسی شخصیتیں، جو روحانیت کی صاحب بھی ہوں تو ساتھ ساتھ شریعت کی ظاہری پابندیوں سے بھی آزاد ہوں، تاکہ ان سے رابطہ و تعلق کے نتیجہ میں ان کے ڈنی دباؤ اور نفسیاتی الجھنوں میں کمی واقع ہو سکے، اور ان کے ضمیر کی خلش بھی کسی حد تک دور ہو سکے۔

یہ خواہش اور چاہت مارڈن طبقہ میں پائی جاتی ہے، اس کی تسلیم کے لئے بزرگ نما ایسی شخصیتیں بھی سامنے آئی ہیں، جو ماڈرن لباس میں ملبوس اور ماڈرن چہرے کے ساتھ میڈیا کے ذریعے سامنے آتی ہیں۔ اور ادا و وظائف کے ملکہ کے رسوخ، نگاہوں کی خاص چیز پر ارتکاز قوت کی مشق اور جفر و بنوم کے علوم میں مہارت کی وجہ سے انہیں کچھ تفسیری قوت، تصرف کی استعداد اور پیشگی احوال بتانے کی صلاحیت بھی حاصل ہو گئی ہے جس کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں، یہ چیز یوگیوں اور راہبوں وغیرہ کو بھی حاصل ہو جاتی ہے جدید طبقات کا ایک قابل ذکر طبقہ اس طرح کی بزرگ نما شخصیتوں سے وابستگی رکھتا ہے یا وابستگی کا آرزومند ہے۔

لیکن یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ تفسیری قوتوں یا تصرف کی استعداد کے ذریعہ فرد میں وقتی طور پر کشش تو پیدا ہو جاتی ہے، لیکن تحت الشعور یعنی باطن میں موجود مگر مچھوں سے نجات کی صورت پیدا ہو کر، انسانیت کے سلیقه سے بہرہ ور

ہونا ممکن نہیں۔

اس لئے کہ اس کا طریقہ ایک ہی ہے، وہ کثرت ذکر اور اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ بذریعہ پرانی فاسد عادتوں سے نجات اور نئی پاکیزہ عادتوں کے رسوخ کا ملکہ حاصل ہونا، یہ چیز اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں جو حاصل روح کار فرمایا ہے، وہ یہی ہے کہ اس کے ذریعہ فرد و افراد کی زندگی صالحانہ زندگی سے عبارت ہو جاتی ہے اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی انسانیت کا پاکیزہ نمونہ بن جاتی ہے۔ ذکر و صحبت اہل اللہ کی خصوصیات ہی یہی ہیں کہ وہ فرد و افراد کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے مستعد بناتے ہیں اور ان کی زندگی پر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ کو) غالب کرتے ہیں۔

قرآن یہ بات واضح کرتا ہے **إِنَّ الَّذِينَ عَنْهُ الدِّينُ لَا يَعْلَمُونَ** (اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی قابل قبول دین ہے۔)

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ إِلَهَ إِلَّا مَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ (جو شخص اسلام کے علاوہ دوسرے دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔)

فَمَ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔
(پھر ہم نے تم کو شریعت کے کھلے راستے پر گامزن کیا تو اسی رستے پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہش کی پیروی نہ کرنا)۔

ان آیات میں اسلامی شریعت کے علاوہ دوسرے طریقوں کو کلی طور پر مسترد کر دیا گیا۔

بزرگانِ دین کی ہمیشہ امتیازی خصوصیت ہی شریعت کے ہر حکم پر عمل پیرا ہونا اور ہر سنت سے عشق کی حد تک محبت ہونا رہا ہے۔ یہ ہماری تاریخ ہے، یہ ہمارا تسلسل ہے، اس لئے اس تسلسل سے ہٹ کر بزرگی کا کوئی نیا معیار قابل قبول نہیں۔

انسانی نفیات اور نفیاتی بیماریوں

کے بارے میں ماہرین کا سطحی تجربہ و مشاہدہ

نفیاتی بیماریوں کے بارے میں جدید نفیات کا کہنا یہ ہے کہ اس کا سبب بچپن کے احساسات و جذبات ہیں۔ بچپن میں جو غیر فطری احساسات و جذبات لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں، ان کے بروقت تدارک نہ ہونے کی وجہ سے آگے چل کر، یہ سارے احساسات نفیاتی و جسمانی بیماریوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

جدید نفیات، تخلیل نفسی کے ذریعہ ان احساسات کے ازالہ کا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ یعنی لاشعور میں چھپے ہوئے جذبات کو شعور کی سطح پر لانا، پھر ان منفی جذبات کو ثابت جذبات کی صورت دینا۔

مثلاً فرد میں خوف کا احساس غالب ہے تو مریض کو گفتگو کے ذریعہ یہ باور کرایا جاتا ہے کہ خوف ایسی چیز نہیں ہے، جس سے ڈرا جائے۔ اس کا مقابلہ کرنا چاہئے یا مثلاً فرد کو اندر ہیرے میں بیٹھنے سے خوف لاحق ہے تو اسے آہستہ آہستہ روشنی سے روشناس کرایا جاتا ہے، اس کی بہت افزائی کر کے، اس میں اندر ہیرے سے مقابلہ کی قوت پیدا کی جاتی ہے۔ اس طرح خوف کا احساس اور دباؤ شعور سے کم ہو جاتا ہے۔ جدید نفیات اس طرح کی چھوٹی چھوٹی نفیاتی بیماریوں میں یہی کوشش کرتی ہے کہ فرد و افراد کے غیر فطری رویہ کو کسی حد تک صحمند بنایا جائے۔

جدید نفیات میں منفی احساسات کو ثابت احساسات میں بدلنے کا دوسرا طریقہ پہنچانا یہیز کا ہے، جس سے خیالی قوت کے ذریعہ مریض کی خیالی قوت پر اثر انداز ہو کر، اسے مرض سے نجات دلانے کی کاوش ہوتی ہے۔ لیکن پہنچانا یہیز کا یہ عمل زیادہ کارگر ثابت نہیں ہو سکا ہے، اس لئے کہ اس سے وقتی طور پر تو مریض

کے احساس میں بہتری پیدا ہو جاتی ہے، دوچار دن یا دوچار ہفتوں کے بعد مرض نئے سرے سے پوری شدت سے حملہ آور ہونے لگتا ہے۔ سبب یہ ہے کہ مادی خیالی قوت سے وقتی طور پر شعور سے دباؤ تو کم ہو جاتا ہے، لیکن لاشعور میں موجود احساس کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تحت الشعور میں موجود یہجان خیز جذبات و احساسات کی بہتر اور مکمل تسلیمان کی صلاحیت مادی نوعیت کے ماہرین کے بس کی بات ہی نہیں۔

نفسی بیماریوں کے بنیادی سبب کی نشاندہی

اہل اللہ کا کہنا یہ ہے کہ ساری نفسیاتی بیماریاں انسان کے لاشعور میں موجود طاقتوں کی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ انسان کا لاشعور جسے تصوف کی اصطلاح میں باطن کہتے ہیں، باطن کی یہ دنیا اتنی وسیع اور لامحدود ہے کہ بڑے بڑے اہل اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے اس سے آشنا ہونا ممکن نہیں۔

باطن کو سمندر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، جہاں ایک طرف بڑے بڑے مگر مچھ بھی رہتے ہیں تو موتی و جواہر بھی موجود ہیں۔ لیکن موتیوں و جواہر تک پہنچنے کے لئے مگر مچھوں سے گزرے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا۔

لاشعور یعنی باطن کی گہرا یوں میں رحمانی قوتیں بھی موجود ہیں تو شیطانی قوتیں بھی۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔

اگر انسان کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کا نظام متشکل ہو تو لاشعور (جو پاکیزہ محبت اور منفی نوعیت کی محبت دونوں قسم کے جذبات سے بھرا ہوا ہے، اس) پر منفی قوتیں مغلوب ہو کر، رحمانی قوتیں غالب ہو جائیں اور فرد و افراد کے سارے جذبات و احساسات کی تسلیمان کی بہتر صورت پیدا ہو جائے، انسانی شخصیت میں موجود ڈر، خوف، احساس کمتری، خود اعتمادی کا بحران، مایوسی کا غلبہ، افراد پر بے اعتمادی، احساس بے بسی، احساس تہائی وغیرہ ان ساری بیماریوں کی جڑ بنیاد

یہی ہے کہ لاشعور یعنی باطن کی گہرا یوں میں پاکیزہ محبت کے جذبات کے اظہار اور اس کے مظاہرہ کی راہ میں طاقتوں منفی قوتیں حائل ہو گئی ہیں اور ان پاکیزہ احساسات و جذبات کی تسلیمان کے موقع نہیں مل رہے ہیں۔

انسانی فطرت میں اپنے خالق اور محبوب حقیقی سے محبت کا لازوال داعیہ بڑی قوت اور جوش خروش کے ساتھ موجود ہے، انسان میں موجود خودشعور ہستی یعنی روح نے ایک بار محبوب حقیقی کا مشاہدہ کیا ہے۔ روح، اب اسی طرح کے مشاہدہ کے لئے مضطرب ہے۔ لیکن نفسی قوتیں جو مادہ کی پیداوار ہیں، وہ فرد و افراد کو مادیت کی طوفان خیز لہروں سے اوپر اٹھکر، فطرت کی بلندیوں کی طرف جانے کی راہ میں شدید حائل ہیں۔ یہی وہ کشمکش ہے، جو انسانی زندگی میں درپیش رہتی ہے۔ افراد کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو، لیکن لاشعور یعنی باطن میں رحمانی اور شیطانی قوتیں دونوں کے درمیاں شدید تصادم جاری رہتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ ”یہ کافر جب سمندر میں کشتیوں میں سفر کے دوران طوفانی لہروں کا شکار ہوتے ہیں تو وہ یکسو ہو کر اللہ کو پکارتے ہیں۔ اللہ انہیں نجات دیتا ہے تو باہر آ کر وہ پھر اللہ سے بااغی ہو جاتے ہیں۔“

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بداعمالیوں کی وجہ سے فطرت، مسخ ہونے کے باوجود اس میں اپنے خالق اور محبوب حقیقی کی معرفت کے کچھ نہ کچھ اجزاء موجود رہتے ہیں اور وہ انتہائی مشکل وقت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے محبت کا داعیہ و تقاضا انسانی فطرت کا سب سے طاقتور تقاضا ہے، یہ روح اور وجہان کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر انسانی شخصیت نہ صرف یہ کہ نامکمل رہتی ہے، بلکہ وہ ہزارہا صدموں اور بے پناہ نفسیاتی بیماریوں کی شکار ہو جاتی ہے۔ فرد میں پاکیزہ محبت کا یہ تقاضا اتنا طاقتور ہے کہ فرد، جنسی جذبات کی تسلیمان کے بغیر تو زندہ رہ سکتا ہے، روٹی کے

بغیر بھی چند ہفتے یا چند ماہ زندہ رہ سکتا ہے، لیکن محبوب حقیقی سے محبت کے اظہار کے بغیر اس کی زندگی دشوار تر ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ جتنے بھی نفسیاتی امراض کا شکار ہو جائے، کم ہے۔

جدید نفسیاتی ماہرین کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ لاشعور میں موجود محبوب حقیقی سے محبت کے والہانہ و بے پناہ جذبات کی قوت کے منکر ہیں اور وہ لاشعور میں موجود محبت کے پاکیزہ طاقتوں جذبات و احساسات کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کی تسلیکن کی صورت پیدا کرنے سے غافل ہیں۔ انہیں لاشعور میں موجود محض منفی جذبات کے طوفان نظر آتے ہیں۔ اور مادی چیزوں کے ذریعہ ہی انہیں ان جذبات کی روک تھام کی صورت نظر آتی ہے، وہ اس سے بلند ہو کر سوچنے کے لئے تیار نہیں۔

جدید مادی تہذیب کے علمبردار اقتدار اور دولت کے نشہ میں پوری انسانیت پر مادی تہذیب کو مسلط کر کے، انسانی معاشرہ کو مریضانہ معاشرہ میں تبدیل کرنے کی کاوشوں میں مصروف ہیں، جس کی سزا سے وہ خود بھی کسی طرح نہیں بچ سکتے۔

ولیم جیمز کا تجزیہ

مغربی ماہرین نفسیات میں ولیم جیمز جیسے بہت کم ماہرین نفسیات ہیں، جنہوں نے لاشعور میں موجود قوتوں کی نوعیت کو سمجھکر، بہتر سمت میں ان کی تشفیی کے بارے میں غور فکر کیا ہو۔ اس سلسلہ میں ولیم جیمز کی طرف سے ہونے والے کام کی نوعیت کو واضح کرنے کے لئے ہم ان کی کتاب ”واردات نفسیات روحانی“ سے کچھ اقتباسات دے رہے ہیں، واضح رہے کہ علامہ اقبال کی خواہش تھی کہ ولیم جیمز کی اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو، تاکہ اردو دان طبقہ کے لئے جدید نفسیات کے اس صحمند رخ کو سمجھنے کی صورت پیدا ہو، ولیم جیمز کے اس کتاب کا اردو ترجمہ خلیفہ عبدالحکیم نے کیا ہے۔ جو خود ممتاز فلاسفہ تھے۔

نفس کی گہرائیاں اور پیچیدگیاں

وہ لکھتے ہیں:

انسانی نفس کی گہرائیاں، پیچیدگیاں، جذبات کی دبی ہوئی چکاریاں تخت اشعار کی قوتیں اور صلاحیتیں نہ پوری طرح اپنے آپ پر آشکار ہوتی ہیں اور نہ دوسروں پر۔ انسانی سیرت کے بعض پہلو اوجھل رہتے ہیں۔ لیکن کسی وقت کسی مثال یا کسی واقعہ سے یہ خفیہ اور خفته قوتیں آشکار اور واضح ہوتی ہیں۔

ہمارے نفس میں جو وسعت ہے، اس کا ہمیں اندازہ نہیں، یہ وسعت نفس کسی جسمانی ذریعے سے پوری طرح اظہار پذیر نہیں ہو سکتی۔ نفس انسانی ایک عضوی وجود کے ویلے سے عمل کرتا ہے۔ لیکن نفس کا ایک بڑا حصہ جسمانی اعمال میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا عمل کسی اور موقعہ کیلئے ملتُوی اور محفوظ رہتا ہے، تخت الشعور کے ذخیرے میں بہت کچھ ایسا سامان موجود ہوتا ہے، جو کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہوتا، کچھ دھنڈلی یادیں، کچھ بزدلانہ رکاوٹیں غرضیکہ کئی قسم کا انتشار اس کے اندر پایا جاتا ہے۔

لیکن دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں اور قوتوں کا مالک بھی تخت الشعور ہی ہے۔ (نفسیات واردات روحانی، ولیم جیمز صفحہ ۲۹)

تخت الشعور کے دروازے سے احوال روحانی کے ماغذ تک پہنچنا

علم النفس کی روشنی میں اب میں یہ مفروضہ پیش کرتا ہوں کہ تخت الشعور کی حدیں اوپر سے خواہ کسی اور ہستی یا قوت سے متصل ہوں۔ لیکن اس کی ادھر کی حدیں اور اس کا تھانی حصہ ہماری معمولی شعوری زندگی ہی کا تسلسل ہے، اس امر کو تسلیم کرنے سے ہمارا رشتہ تحقیق، نفسی اور طبیعی سائنس کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

اس حقیقت کو عام طور پر دینیات نظر انداز کرتی ہے۔ اس امر کو تسلیم کرنے سے اہل دین کا یہ خیال ایک حیثیت سے برقرار ہے کہ روحانی احوال میں اپنی ذات نہیں، بلکہ کوئی بالائی اور خارجی قوت عمل کرتی ہے۔ کیونکہ تحت الشعور میں سے جو کچھ صورت پذیر ہوتا ہے، اس کا مأخذ صاحب حال کو اپنے سے خارج میں محسوس ہوتا ہے۔ چونکہ ہمارے نفس کی غیر معمولی پوشیدہ قوتیں، ان احوال میں ظاہر ہوتی ہیں، ہم ان کا مأخذ اپنے معمولی نفس سے برتر سمجھتے ہیں۔ دراصل یہ ہمارے اپنے ہی نفس کا بلند تر یا عمیق تر حصہ ہوتا ہے۔ جس کا عمل ہمیں خارجی یا برتر قوت کا عمل محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فوقائی قوتوں سے ربط و اتحاد کا احساس کچھ غلط احساس نہیں۔

کیونکہ یہ قوتیں اگرچہ ہماری نفسی قوتیں ہیں، لیکن ہمارے معمولی شعور سے برتر ہیں۔ تحت الشعور کے دروازے سے احوال روحانی کے مأخذ پر پہنچنا، ہماری تحقیق میں بہت آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ (صفحہ ۳۰۷)

ہستی عالم کا ہمارے فہم کے سانچوں میں نہ آنا

”ہستی عالم یعنی (خدا) محسوس و معقول سے ماوری بھی ہے تو ہمارے نفس اور ہماری زندگی کی آخری حدیں اس سے متصل بھی ہیں۔ وہ ہستی، ہماری حس اور فہم کے سانچوں میں نہیں آسکتی۔ ہم سے متصل وہ ماورائی ہستی کیا ہے۔ اسے فوق العالم کہیں یا کچھ اور، بہر حال ہمارے نصب العین اور بلند و بالا مقاصد اور تحریکاتِ حیات ادھر سے ہی آتے ہیں۔ عالم محسوس کے مقابلہ میں اُس عالم سے ہمارا رابطہ زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس عالم سے زیادہ اُس عالم کے باشندے ہیں۔

دعا سے خدا سے رابطہ ہوتا ہے اور تحت الشعور سے بھی کچھ قوتیں اور بصیرتیں اس عمل میں شامل ہو کر، جو نتائج پیدا کرتی ہیں، وہ کسی اور ذریغہ سے

پیدا نہیں ہوتی۔

انسانی زندگی میں کسی بنیادی خلل کا واقع ہونا
اور اس کا علاج

”نفس کشی کے روحاںی معنی اور اس کا ماخذ یہ یقین ہے کہ انسانی زندگی میں کوئی بنیادی خلل موجود ہے، جس کا علاج اس کا قلع قلع کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ انسان شر نفس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ نفس امارہ کا مقابلہ بڑی جرأت، ہمت اور ایثار کا طالب ہے۔ اور کمال درجے کے ضبط نفس اور تکلیف برداشت کئے بغیر ترکیہ نفس ممکن نہیں۔ اس لئے ایسے انقلاب کی ضرورت ہے کہ گویا انسان نے پہلی حالت سے مرکر دوسرا جنم اختیار کیا ہے۔ (صفحہ ۵۳۲)

درویشی اور فقر سے

عسکری زندگی کی ساری صفات کا وابستہ ہونا

”درویشی یا فقر، سخت کوشی ہی کا دوسرا نام ہے اور فقر کی زندگی سراسر جہاد ہے۔ اس سعی خاموش میں نہ کوئی شان و شوکت ہے، نہ عوام کا جوش مدح۔ نہ رعا، نہ جھوٹ، نہ دغا، جب ہم دیکھتے ہیں کہ حصول دولت کیلئے جان فشانی ہماری موجودہ پودکی رگ و پپے میں سرایت کر گئی ہے اور اس نے انسان کی نفسی اور اخلاقی حالت کو خراب کر رکھا ہے تو ہم سوچنے لگتے ہیں کہ کیا حیات فقر کا احیا، اور یہ تلقین کہ فقر، مہبی زندگی میں ایک قابل فخر چیز ہے، اس مرض کا علاج نہیں ہو سکتے۔ عسکری زندگی کی تمام صفات حسنہ اس میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ انسانیت کے اور بھی اقدار اس میں تربیت پا سکتے ہیں۔ ہماری نسل کی روحانی اصلاح اسی انداز فکر و عمل سے ہو سکتی ہے کہ لوگ دولت طلبی کی بجائے فقر اختیاری کو نصب العین بنالیں۔ (صفحہ ۵۳۱)

عقلی شعور بھی کہتے ہیں، شعور کی ایک مخصوص نوع ہے، جس کے گرد اگر کوئی انواع شعور اور بھی ہیں۔ ہمارے معمولی شعور اور ان انواع کے درمیان ہلکا سا باریک پرده ہے، جو بعض حالات میں ہٹ جاتا ہے۔ شعور کے انواع ممکنہ ہمارے معمولی شعور سے بالکل مختلف ہیں، اسی لئے وہ ہمارے عقل و ادراک اور زبان و بیان کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم عمر بھر ان میں سے کسی ایک نوع سے بھی آگاہ نہ ہوں، لیکن کسی مناسب محرك کے پیدا ہوتے ہی فوری طرح ان کا ظہور ہوتا ہے۔

اگر ہم ان انواع شعور کو نظر انداز کر کے حیات و کائنات کی کوئی مکمل توجیہ کرنا چاہیں تو یہ غلط ہو گا۔ (صفحہ ۱۷۵)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ پرستی کے ماحول میں رہ کر بھی اگر کوئی ماہر نفیات فطرت میں موجود داعیہ کو بیدار کر کے، غور و فکر سے کام لے تو وہ انسانی شخصیت کی اصلیت اور اس کی نفسیاتی ساخت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ انسانی نفیات کو مادیت کے بجائے فطرت کے تقاضوں کے فہم کے مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

مسلم نفیات اور

جدید نفیات کے درمیان فرق

ذکر کے موضوع پر کتاب میں اگرچہ مغربی ماہرین نفیات کے حوالوں کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ دنیا سکڑ کر ایک بڑے شہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور مسلم دنیا کا ہر جدید پڑھا لکھا فرد، ذہنی اور نفسیاتی طور پر جدیدیت کے حوالوں سے ہی بات سننا چاہتا ہے، اس لئے کہ ان کی ذہنی تربیت ہی انہی خطوط پر ہوئی ہے، اس لئے ان کی ذہنی تشویشی کی لئے کتاب میں جدید ماہرین نفیات کے حوالے پیش کئے گئے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم نفیات تیرہ سو سال کی تحقیق و تجزیے

موجودہ تہذیب کے زیر اثر
 مردانگی میں کمی کا واقع ہونا

”موجودہ تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ دکھائی دیتی ہے کہ مادی آسائش اور دولت کی پرستش بہت بڑھ گئی ہے، جس کی وجہ سے مردانگی میں کمی آئی ہے۔ اور زنانہ پن میں ترقی ہوئی ہے، دولت کی خواہش اتنی عام ہو گئی ہے کہ ہمیں افلاس سے ڈر لگتا ہے۔

اب ہماری سوسائٹی میں جو اوپر کے طبقے کھلاتے ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ مادی جمال اور آسائش کے فقدان سے انہیں خوف لگتا ہے۔ اس خیال سے ہم کا نیت ہیں کہ بہنک میں کافی بقايانہ ہو۔ مشقت سے روزی کمانا پڑے۔ اور گھر میں کوئی پچھہ پیدا ہو جائے۔ زندگی کی نسبت یہ زاویہ نگاہ مردانگی اور مذہب دونوں کے منافی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کے خلاف احتجاج کیا جائے۔

یہ درست ہے کہ دولت جہاں تک اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے فرصت پیدا کر سکتی ہے اور قتوں کو اچھے کاموں میں صرف کرنے کا سامان مہیا کر سکتی ہے، اس حد تک دولت افلاس سے بہتر ہے۔ اور اس کے حصول کی کوشش ضروری اور جائز ہے۔ لیکن زر اندوzi کی جدوجہد میں خال خال ہی لوگ ایسے ہونگے، جن کی دولت طلبی کے تھے میں ایسا صالح فکر ہو۔ زیادہ تر تو دولت طلبی کی جدوجہد میں بزدلی اور بد اخلاقی ہی نظر آتی ہے۔ (صفحہ ۵۲۶)

ہمارے معمولی شعور کے علاوہ

دوسرے انواع شعور کا ہونا

”چند سال ہوئے، میں نے خود بھی اپنی ذات پر ناٹرس اور کسانڈ کے سکر کا تجربہ کیا۔ میں اس تجربے سے جس یقین پر پہنچا، اس کی صداقت کا یقین اب تک برقرار ہے۔ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معمولی بیداری کا شعور، جسے ہم

اس اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بے شمار افراد نفس اور مادیت کا حصہ بن کر رہ گئے۔

راہ محبت کا ابلا و آزمائش کی راہ ہونا

طالب کے لئے اس نکتہ کا استحضار بھی ضروری ہے کہ راہ محبت ابتلا و آزمائش کی راہ ہے۔ معاشی فراوانی میں کمی کا واقع ہونا، صحت کا متاثر ہونا، دوسرا ہوادث کا ہونا وغیرہ طالب کو اس طرح کی بہت ساری چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ ساری چیزیں طالب کو مشتمل کرنے کے لئے ہوتی ہیں، تاکہ وہ سب سے کٹ کر، ظاہری وسائل کو بے تو قیر بھکر، اپنی ساری توقعات محبوب حقیقی سے ہی وابستہ کرے اور اللہ کی ذات پر توکل کا اس کا مزاد راست ہو جائے۔ بندہ کے ابتلا و آزمائش کے سلسلہ میں قرآن میں کئی آیتیں موجود ہیں۔ ایک آیت پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ (الْأَنْتَقِبُوت آیت ۲)

(کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا)۔

لیکن طالب کو اس بات کا تو یقین رکھنا چاہئے کہ محبوب، اسے روزی کے سلسلہ میں دوسروں کا محتاج نہیں بنائے گا، یہ ابتلا آزمائش وقتی نوعیت کی ہوتی ہیں، البتہ باطنی کیفیات کے زیر وزبر ہونے والی آزمائش، قلب پر جلالی صفات کے عکس کے ورود کی ابتلا کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ چونکہ نفسی قوتیں اس کے بغیر فنا نہیں ہوتی، اس کے بغیر نفس کی قابل ذکر حد تک تہذیب نہیں ہوتی، اس لئے طالب کی کیفیات میں نشیب و فراز کا عمل کافی عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جمالی صفات کے عکس کے ذریعہ اس پر سکینت کی جن کیفیات کا مسلسل ورود ہوتا رہتا ہے، وہ طالب کی اضطرابی کیفیات میں توازن پیدا کرنے کے لئے کافی ثابت ہوتی ہیں۔ قبض و بسط یعنی بے چینی و خوشی کے درمیاں ہی طالب کا سفر جاری رہتا ہے۔ طالب کے امتحان کا

کے بعد انسانی نفیسیات کی جن گہرائیوں تک پہنچی ہے، جدید نفیسیات اس کے دسویں حصہ تک بھی نہیں پہنچ سکی ہے۔

تکرار ذکر سے

محبت کا پیدا ہونا اور اطاعت کا آسان ہونا

ذکر کے تکرار کے بارے میں ایک اہم نکتہ جو سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہر چیز کے تکرار سے دل اور ذہن میں اس چیز کے نقوش مستحکم ہونے لگتے ہیں اور اس کی ہر وقت فکر لاحق ہونے لگتی ہے۔ یہ تکرار اس چیز یا اس شخصیت کے بارے میں فرد کے دل میں محبت کے جذبات غالب کر دیتی ہے۔ اللہ کے ذکر کے تکرار سے فرد میں، یہی چیز راسخ ہونے لگتی ہے، یعنی اللہ کے بارے میں حساسیت اور خلکہ کا غالب آنا اور اللہ سے والہانہ محبت کا پیدا ہونا، جب تکرار ذکر سے جذباتِ محبت غالب ہو جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ اطاعت کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور محبوب حقیقی کی اطاعت آسان ہونے لگتی ہے۔

فناۓ نفس تک رسائی سے پہلے

روحانی استاد سے دوری کے نتائج

نفس اور مادیت کی قوتیں سے مقابلہ کے سلسلہ میں ایک اہم بات، جسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ فرد، جب تک تکرار ذکر اور صحبت صالحہ کے ذریعہ نفس کے فناست کے مقام تک نہیں پہنچا ہے، یعنی جب تک اس کی نفس کی قوتیں کی شہزادی اور شدت میں غیر معمولی طور پر کمی واقع نہیں ہوئی ہے اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا اور ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنا، اس کے لئے آسان نہیں ہوا ہے، تب تک اسے تکرار ذکر اور صحبت صالحہ کے ماحول کا مسلسل اہتمام کرنا ضروری ہے، اگر اس سارے عرصہ کے دوران وہ صحبت صالحہ دوسرے الفاظ میں روحانی استاد کی صحبت سے دور ہونا شروع ہوگا تو نفسی قوتیں اس پر پوری شدت سے اس طرح حملہ آور ہوں گی کہ وہ مادی ماحول کا حصہ بن کر رہ جائے گا۔

تمہیں آخرت سے دور کر دے اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں آیت ہے)۔

وَلَا تَبْيَعُ الْهَوَى فَيُضْلِكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضْلُلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۔ (س آیت ۲۶)

اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے (یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ضمن میں آیت ہے)۔

سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا مانگتے ہیں۔

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْتَنِبْ وَبَيْنَ أَنْ تُنْجِدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنْهَنْ أَصْلَلْنَ كَفِيرًا مِنَ النَّاسِ۔ (سورہ ابراہیم آیت ۳۵ - ۳۶)

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ، اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے)۔

انبیاء کرام پر اللہ کی شان عظمت کا جو غلبہ ہوتا ہے، اگر اس کا ادنیٰ سا حصہ ہمیں مل جائے تو بزرگی کے نام پر دعویٰ سے بختنے کے لئے وہ کافی ہے۔

اللَّهُ كَيْمَ ذَاتَ كَ
كَائِنَاتَ كَيْ بُنِيَادَ هُونَا

اللہ کے اسم ذات کے ذکر کی اہمیت اور اس کی بدولت زندگی میں پیدا ہونے والی تابنا کی کا اگر افراد کو معمولی بھی اندازہ ہو جائے تو لوگ اس ذکر کے لئے پروانہ کی طرح فدا ہو جائیں۔

اللہ کی اسم ذات ہی کائنات کی بنیاد ہے، سارے مادی و روحانی علوم اور سارے معارف اسم ذات ہی سے پھوٹ کر نکلے ہیں۔ قرآن کا منع بھی اللہ کی اسم ذات ہی ہے، اس لئے قرآن کی ہر سورہ سے پہلے بسم اللہ موجود ہے، جس

سب سے دشوار وقت وہی ہوتا ہے، جب اس کی کاوشوں کے باوجود اس سے ساری کیفیات سلب کر لی جاتی ہیں۔ اس امتحان میں صبر و استقامت سے کام لیتے رہنا، اور برسوں تک محبوب کے جلالی صفات کے انگاروں کو برداشت کرنا، یہ طالب صادق ہی کا کام ہے۔ دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ لیکن اس امتحان میں کامیابی کا جو پھل طالب کو نتیجہ کار کے طور پر ملتا ہے، وہ مولانا رومی کے بقول طالب سے ایک زندگی چھین کر، سونئی زندگیاں عطا کرنے کے برابر ہے۔

مفتی طالب کو اصولوں کی خلاف ورزی

کے نتیجے میں ملنے والی سزا

راہ محبت میں اگر مفتی صوفی بھی اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے بھی سزا مل کر رہتی ہے۔

اصولوں کی خلاف ورزی میں مالداروں سے قربت کے تعلقات پیدا کرنے کے میلانات کا غالب آنا اور اس کے لئے کوششوں کا ہونا، زیادہ سے زیادہ مرید بنانے کی فکرمندی کا غالب آنا اور ان مریدوں سے غلامی کے آداب بجالانا، عام لوگوں سے رابطہ منقطع کر کے، بڑے لوگوں کے لئے اپنے دروازے کھونا، خودنمائی کا مظاہرہ کرنا اور شرعی احکامات کی شعوری طور پر خلاف ورزی کرنا وغیرہ شامل ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید میں بعض جلیل القدر انبیاء کرام کے ضمن میں جو آیتیں موجود ہیں، وہ پڑھکر تو طالب صادق کے روئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اگرچہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ سے دراصل ہمیں سنانا مقصود ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی کچھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ ہمارے لئے انتباہ کی صورت پیدا ہو اور یہ کہنے کی ہمت نہ ہو کہ ہم مجاہدوں و ریاضتوں سے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں، جہاں ہمیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

فَلَا يَصُدُّنَكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَأَتَيْهَا هُوَ أَهْوَاهُ فَتَرْدُدِي۔ (ط آیت ۱۶)
جو شخص ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کا پیروکار ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ

میں اسم ذات کا ذکر، فرد کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ قرآن اسی اسم ذات کی تفصیل ہے، جب کہ یہ اسم ذات اس کی اصل اور اس کا اجھا ہے، لا اللہ الا اللہ کا نفی اثبات کا ذکر، جسے، فضل الذکر فرمایا گیا ہے، اس ذکر کا جوہر اعظم بھی اسم ذات ہی ہے۔ اسی اسم ذات کے ذکر کے تکرار سے مسمی ذات کی ساری صفاتی خصوصیات فرد و افراد پر اثر انداز ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور زندگی کو بدلت کر تخلقوا با اخلاق اللہ کا نمونہ بنادیتی ہے۔

اسم ذات کے ذکر کی اس کشش نے اہل اللہ کو ہر دور میں سارے کاموں سے یکسو ہو کر، مادی زندگی کی خوشحالی سے بے نیاز ہو کر، اس ذکر کے مجہدے کرنے اور اللہ کے بندوں کو اس ذکر کی طرف لانے اور اس ذکر کی بنیاد پر ان کی تربیت کے کام میں فنا کر دیا۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اللہ واحد کے ذکر و عبادت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ جملہ نفیاً تی بیماریوں سے بچاؤ کی بھی واحد صورت یہی ہے تو مہذب انسان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہونے کا راستہ بھی یہی ہے، آخرت میں محبوب کے عتاب سے بچکر، اس کے دیدار سے مشرف ہونے کی صورت بھی یہی ہے۔ ہماری اس کتاب کا حاصل یہی ہے۔

بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ جس فرد نے ذکر و فکر کے مجہدوں اور مخلصانہ اطاعت کے ذریعہ کائنات کی خالق ہستی کی معیت حاصل کر لی ہو، اسے اپنے ساتھ ملا لیا ہو، لاشعور میں موجود منفی قوتیں اور مادیت پرستی کی مقامی و عالمی قوتیں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہیں، اسے کیا ڈرا سکتی ہیں، بلکہ اس طرح کی شخصیت خود مادی قوتوں کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور مادیت پرست خود اس سے خوف زدہ ہونے لگتے ہیں، وہ تو زبان حال سے یہ کہر ہا ہوتا ہے وَهُوَ مَعْكُمْ أَئِنْ مَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی جاؤ)۔

